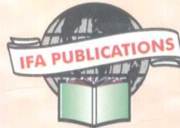
مسجد اقصیٰ

ہمارے دلوں میں



ایفا پبلیکیشنز

بیت المقدس
ہمارے دلوں میں

کہاں کہاں سے مٹاؤ گے حسن نقش وفا
نظر میں، دل میں، جگر میں سمائے بیٹھے ہیں

ڈاکٹر جاسم محمد مطر شہاب

ایفا پبلی کیشنز – نئی دہلی

نام کتاب: بیت المقدس ہمارے دلوں اور یادوں میں

مصنف: ڈاکٹر جاسم محمد مطر شہاب

مترجم: مولانا ضیاء الدین قاسمی ندوی خیرآبادی

کمپوزنگ: محمد سیف اللہ

صفحات: ۱۳۴

قیمت: ۱۰۰/روپے



ایفا پبلیکیشنز

۱۶۱-ایف، بیسمنٹ، جوگابائی، پوسٹ باکس نمبر: ۹۷۰۸

جامعہ نگر، نئی دہلی-۱۱۰۰۲۵

ای میل: ifapublication@gmail.com

فون: 011-26981327

بسم اللہ الرحمن الرحیم

www.KitaboSunnat.com

فہرست مضامین

پیش لفظ

''بیت المقدس ہمارے دلوں اور یادوں میں بسا ہے'' یہ ان نشریات کا نقش اولین ہے جن کو وقفہ وقفہ سے رسالہ ''الوعی الاسلامی'' نے شائع کرنے کا عزم وارادہ کر رکھا ہے یہ نشریات ہمارے مستقبل کے پلان ومنصوبہ کا حصہ ہیں جو صحیح اسلامی فکر کو پختہ ومستحکم کرنے کے لئے اور مسلمانوں کو ہر قسم کے مذہبی، فکری اور سیاسی اختلافات سے دور رکھ کر ان کی ذہن سازی کے لئے شروع کیا گیا ہے اور اسی کے ساتھ مسلمانوں کے ان مسائل ومشاکل کا دفاع کرنا بھی مقصود ہے جو عدل وانصاف کی روشنی میں ان کا حق ہیں۔

اسی جذبہ کے تحت رسالہ ''الوعی الاسلامی'' نے بیت المقدس کے مسئلہ کو منتخب کیا ہے تاکہ یہ اس کی ابتدائی اشاعت کا عنوان بن جائے کیونکہ بیت المقدس کا قضیہ سب سے اہم اور پہلا حل طلب مسئلہ مانا جاتا ہے جس کا دفاع کرنا ہر مسلمان پر لازم ہے، لہذا اس بین الاقوامی مسئلہ کو سب ہی حل کرنے اور اس کی واقفیت حاصل کرنے کے متمنی ہیں، انفرادی طور پر بھی اور تنظیمی وجماعتی اور صحافتی ونشریاتی اداروں کی سطح پر بھی، اور اسی مناسبت سے مجلّہ الوعی الاسلامی کی مجلس ادارت، ہر بے باک مخلص قلمکار، صحافی مصنف ومحقق سے کو دعوت دیتی ہے کہ اہم پوائنٹ وسبجیکٹ پر مشتمل اپنی آراء ومشورے، الوعی الاسلامی کو ارسال فرمائیں تاکہ مجلّہ اپنی آئندہ اشاعتوں میں ان سے رہنمائی حاصل کر سکے اور اس طرح ہم سب ایک ساتھ مجلّہ کی رفتار کو تیز گام کرنے اور اس کے فکری دائرہ اثر کو آگے بڑھانے اور علم ومعرفت کے گوشوں کو وسعت دینے میں اپنا کردار ادا کر سکیں گے۔

اس مختصر تمہیدی کلمات وگذارشات کے ساتھ میں ضروری سمجھتا ہوں کہ حکومت کویت

کی وزارت اوقاف ومذہبی امور کا شکریہ ادا کروں کہ اس نے ہم کو اس اہم منصوبہ کے شروع کرنے اور پایۂ تکمیل تک پہنچانے میں تمام ضروری سہولیات فراہم کیں اور اسلامی فکر کو مشرق ومغرب تک پھیلانے میں حصہ لیا جس سے کویت کا تمدنی وتہذیبی اور ثقافتی رخ ظاہر ہوتا ہے، اللہ ہمارا معین ومددگار رہے۔

جاسم محمد مطر شہاب

مقدمہ

شیخ عبدالعزیز بدر قنائی

فتح اسلامی کے ابتدائی زمانوں ہی سے بیت المقدس قرآن کریم اور احادیث نبویہ میں ذکر کردہ فضائل کے سبب مسلمانوں کی توجہات کا محور رہا ہے اور حکومت کویت نے بیت المقدس اور فلسطین کے مسئلہ کو اس کے آغاز ہی سے ترجیح دی ہے اور حق کو حق ثابت کرنے اور اسلامی مقامات واماکن کے تقدس واحترام باقی رکھنے میں ہر ممکن سطح پر مادی اور معنوی تعاون جاری رکھا ہے۔

مجلّہ الوعی الاسلامی نے اپنے اجراء واشاعت کے پہلے مرحلے میں بیت المقدس کے مسئلہ کو اپنے صفحات میں جگہ دی نیز جھوٹے یہودی دعووں کی بیخ کنی اور فلسطین کی سرزمین پر عام طور سے اور بیت المقدس میں خاص پر یہودیوں جاری سرگرمیوں اور اس کے مختلف انداز واسلوب کی مذمت اور تنقید کا اہتمام کیا۔

مجلّہ الوعی الاسلامی نے اپنے طویل سالوں کے دوران بیت المقدس کے مسئلہ کی اہمیت سے متعلق مشہور ومعروف مفکرین اور دوسرے ملکوں کے محققین ومصنفین کی تحقیقات، مقالے اور مضامین کو شائع کر کے یہ ثابت کیا کہ بیت المقدس اور فلسطین پر مسلمانوں کا حق ہے جبکہ بیت المقدس کو یہودی رنگ میں رنگنے کی قبیح کوشش اور حرکتوں کو غلط قرار دیا۔

اسلامی مقدس آثار کو مٹانے کو یہودی تحریک کے باعث بیت المقدس جن مشکلات کے دور سے گذر رہا ہے اس کے پیش نظر ہم نے مجلّہ الوعی الاسلامی کی جانب سے اس مختصر کتاب کو

شائع کیا ہے اس میں بیت المقدس کی اہمیت اور مسلمانوں کے اس کے تاریخی روحانی مرتبہ سے متعلق ان منتخب اور معیاری وتحقیقی مقالات ومضامین کو جگہ دی گئی ہے جو وقتاً فوقتاً مجلّہ الوعی الاسلامی میں معروف ومشہور دانشوروں، تحقیق کاروں کے مقالات کی شکل میں قارئین کی نذر ہوتے رہے ہیں۔

اس انتخاب سے یہ گمان ہرگز نہ کیا جائے کہ اس کتاب نہ شامل ہونے والے مقالات ومضامین کم درجہ کے تھے چونکہ مختصر محدود صفحات میں سب کو جگہ دینا ممکن نہیں تھا اس لئے وہ شامل نہ ہوسکے ورنہ ان کی اہمیت وافادیت مسلم ہے بہر حال ہم ان تمام اہل قلم کے شکرگزار ہیں جنہوں نے اپنی نگارشات اور علمی وادبی اور تاریخی مقالات سے بیت المقدس جیسے حساس موضوع پر روشنی ڈالی۔ اللہ تعالی مسلمانوں کو ان کا قبلہ اول واپس لوٹائے، آمین۔

عروس البلاد "بیت المقدس" صہیونی پلاننگ کے تحت اپنی اسلامی شناخت کھو رہا ہے

شیخ عبدالرحمٰن سعید

ام المدائن، زہرۃ المدائن، عروس البلاد، شہروں کا شہر، یہ سب وہ نام ہیں جن کا اطلاق بیت المقدس پر اس کی عظمت وشوکت کو ظاہر کرنے کے لئے کیا جاتا ہے، اور بلاشبہ بیت المقدس اسی شان وبان کا شہر ہے اس لئے کہ اس کی آغوش میں انبیاء ومرسلین علیہم السلام نے نشو ونما پائی اور اپنی زندگی کے شب وروز گذارے، اس شہر کے زیر سایہ ہر فرقہ وعقیدہ کے افراد خاص کر مسلمانوں نے چودہ سو سال تک اسلامی مملکت کے تحت سکون واطمینان سے خوشحال وفارغ البالی کی لذت ونعمت سے سرشار ہوکر زندگی بسر کی ہے۔

بیت المقدس اسلام کی اہم حقیقتوں میں سے ایک ایسی حقیقت ہے جس سے انکار کی گنجائش نہیں، اس مبارک ومقدس شہر نے توحید وایمان کی تکمیل کے وہ روح پرور لمحات وحلقات دیکھے ہیں جب کہ آغاز رسالت میں تقریباً سولہ سترہ ماہ تک مدینہ منورہ میں اس کی جانب رخ کرکے نمازیں ادا کی گئی ہیں، شب اسراء ومعراج میں رسول کامل محمد ﷺ نے اسی مقدس شہر میں انبیاء ورسل علیہم السلام کی نماز میں امامت فرمائی ہے اور آپ ﷺ نے مسلمانوں کو مسجد اقصیٰ کی زیارت کے لئے بیت المقدس کے سفر کی تاکید وترغیب دی ہے۔

سیر النظر یہ وعقیدہ ہے کہ بیت المقدس سے محبت وتعلق اور اس کی حفاظت ہماری تمام

مشکلات سے خلاصی کا ذریعہ ہے اس اعتبار سے کہ مختلف ادوار میں مسلمانوں کے لئے بیت المقدس نے دشمنوں سے مقابلہ کے وقت شہر پناہ کا کام دیا ہے، لیکن یہی شہر انبیاء بیت المقدس اس وقت اپنی طویل ترین تاریخ کے سب سے بھیانک خطرہ سے دوچار ہے، اس لئے کہ ۱۹۴۸ء میں یہودیوں نے اس کے مغربی حصہ پر قبضہ کرلیا تھا پھر ۱۹۶۷ء کی عرب اسرائیل جنگ کے بعد اس پر ایک طرح سے اپنا تسلط قائم کرلیا اسی وجہ سے بیت المقدس اپنی زندگی کے خطرناک ترین حالات کا سامنا کر رہا ہے، کیونکہ اس مقدس شہر کی اسلامی ثقافت کو ختم کر کے مکمل طور پر اس کو یہودی رنگ وروپ دینے کا صہیونی منصوبہ بن چکا ہے دراندازغاصب یہودیوں نے بیت المقدس کو یہودی رنگ میں رنگنے اور اس کے اسلامی آثار کو مٹانے نیز مسلمان عرب باشندوں کو اس شہر سے بے دخل کرنے کی کوشش میں انتہائی ظالمانہ وجابرانہ کارروائیاں شروع کررکھی ہیں بلکہ مسجد اقصی کے آس پاس اور اس کے نیچے ناجائز کھدائی کا سلسلہ جاری کر کے مسجد اقصی کی بقا کے لئے خطرہ پیدا کردیا ہے اور حضرت سلیمان علیہ السلام کے تعمیر کردہ ہیکل سلیمانی کی تلاش کا بہانہ بنا کر مسجد اقصی کی حرمت وپاکیزگی کو پامال کر رہے ہیں، مسجد اقصی کے نیچے سولہ لمبی سرنگیں کھودی جاچکی ہیں، اور یہ سب کام جاری ہیں بلکہ دن بدن ان کی درندگی وبے رحمی میں اضافہ ہوتا جارہا ہے۔

یہ ریکارڈ تو ایک بڑے پروگرام کا محض ایک چھوٹا سا ٹکڑا ہے جو مختلف زاویوں سے مسئلہ کا جائزہ پیش کر رہا ہے اور اس کے حال ومستقبل اور تاریخ کا احاطہ کر رہا ہے، اصل بات جو ہم کو سوال کرنے پر مجبور کر رہی ہے وہ یہ ہے کہ آخر سیاسی بات چیت کرنے والے ذمہ داران کس بات پر باہم مذاکرات کریں گے جبکہ عملی طور پر صورت حال بتارہی ہے کہ وہ وقت دور نہیں جب کہ بیت المقدس پوری طرح یہودی تہذیب وتمدن کے رنگ میں رنگ جائے اور عربوں اور مسلمانوں کے ہاتھ سے نکل جائے جب چند ریزوں کے سوا ان کے پاس کچھ نہیں بچے گا تب اس

کے بارے میں سیاسی حل کیا تلاش کریں گے۔

شروع میں تو ہم یہ جائزہ لیں گے کہ یہودی شناخت دینے کے منصوبے کے تحت بیت المقدس کی پوزیشن اس وقت کیا ہے جس کو مختلف انداز میں صہیونی دراندازوں نے حاصل کرنے کے لئے اپنا نشانہ بنا رکھا ہے، ان مقاصد میں سے چند یہ ہیں:

۱- بیت المقدس کی اسلامی خصوصیات وعلامات وآثار کو مٹانا۔

۲- کثیر مسلم عربی آبادی والے محلوں، علاقوں سے مسلمانوں کو کم کرنا اور گھٹانا اور ان کو عربی علاقوں محلوں سے کنارے کرنا۔

۳- شہر قدس کے مختلف حصوں میں باہر سے آنے والے یہودیوں کو آباد کرنا تاکہ وہاں یہودی آبادکاروں کی غالب اکثریت ہو جائے (۱)۔

۴- یہودیوں کے دعوی کے مطابق بیت المقدس کی تاسیس پر تین ہزار سال گذرنے اور حضرت داؤد علیہ السلام کے زمانہ سے ہی اس کے یہودی دار السلطنت ہونے کے دعوی کو ثابت کرنے کے لئے مختلف انداز میں جلسوں، سمیناروں اور جشنوں کا اہتمام کرتے رہنا تاکہ یہ تصور حقیقت کا روپ اختیار کرلے۔

زمینوں کی ضبطی:

بیت المقدس کے اسلامی خصائص وعلامات کو مٹانے کے ساتھ ساتھ یہودیوں نے عربوں کی زمینوں کے بہت بڑے حصے اور رقبے پر قبضہ جمانے کی پوری کوشش کی، چنانچہ عام ملکیت والی زمینوں پر قبضہ کے ساتھ اور پرائیوٹ جائدادوں کو بھی ضبط کرلیا اور شہر پر قبضہ کرنے والوں کی مرضی مسلط کردی ناقابل تبدیلی حکم لاگو کر کے نوآبادیاں بڑی بڑی کولونیاں قائم کیں جن عمارتوں کی شکل پہاڑوں پر بنائے گئے قلعوں جیسی ہے، ان نوآبادیوں کی توسیع مسلسل یہودیوں کی ضروریات تحت ہورہی ہے، نئی یہودی بستیوں نے عرب باشندوں کو چاروں طرف سے اس

طرح گھیر لیا ہے کہ ان کے لئے اپنی قدیم آبادیوں میں تعمیراتی توسیع کی کوئی گنجائش نہیں رہ گئی۔

اسی طرح غاصب یہودیوں نے بیت المقدس شہر کے لئے کچھ خاص قوانین نافذ کئے، بیت المقدس کو اپنی سرزمین کا ایک جزء قرار دے دیا قدس شہر کی ثقافتی، دینی اور سیاسی علامتوں اور نشانیوں کو بدلنے کے لئے بہت سی غیر قانونی کارروائیاں کر رہے ہیں، اس سلسلہ میں مختلف قراردادوں کو کنسیٹ (اسرائیلی پارلیمنٹ) نے جولائی ۱۹۸۰ء میں بیت المقدس کے دونوں مشرقی و مغربی حصوں کے لئے پاس کیا ان میں سب سے خطرناک قرارداد ہے یہ کہ بیت المقدس اسرائیلی حکومت کا دائمی مستقل پایہ تخت ہوگا اور ۱۰ رمئی ۱۹۹۴ء میں کنیسٹ (اسرائیلی پارلیمنٹ) نے دوبارہ اس قرارداد کی توثیق کی کہ بیت المقدس اب ہمیشہ کے لئے اسرائیلی حکومت وقیادت کے تابع رہے گا۔

بیت المقدس پر یہودی اثرات تھوپنے کے مقصد کے ساتھ ساتھ غاصب اسرائیلی حکومت نے شہر مقدس کے اندرونی حصہ اور قرب وجوار میں آباد عرب باشندوں کی دسیوں ہزار ایکڑ زمینوں پر زبردستی قبضہ کر لیا، اس طرح اسرائیلی غاصبوں نے پرانے شہر کے اندرونی حصہ میں کئی صہیونی محلے آباد کر دیئے شہر کے شمالی و مشرقی اور جنوبی حصہ میں دسیوں نئی یہودی کالونیاں بنا کر پورے قدس شہر کا ایک طرح سے محاصرہ کر لیا اور اس کو اصل فلسطینی علاقوں سے پوری طرح کاٹ دیا۔

غاصب اسرائیلی حکومت نے عرب باشندوں کو اس مقدس وبابرکت شہر میں کسی قسم کی تعمیرات کی اجازت دینے سے بھی محروم کر رکھا ہے کیونکہ شہر کا نظم ونسق اسرائیلی میونسپلٹی کے ماتحت ہے، صہیونی اقتدار کی جانب سے جو کارروائیاں اب تک ہو چکی ہیں اس نے قدیم مشرقی بیت المقدس میں یہودی آبادی کے تناسب کو بالکل بدل دیا ہے اور عرب مسلمان باشندے جو پہلے اکثریت میں تھے اب بیت المقدس کے مشرقی و مغربی دونوں حصوں میں یہودیوں کی بہ نسبت

اقلیت میں آگئے ہیں۔

۱۹۹۵ء کے اوائل میں اسرائیل نے مشرقی یروشلم (بیت المقدس) میں آباد فلسطینی باشندوں کی ملکیت والی ۵۳ ہیکٹر زمین پر جبریہ قبضہ کرنے کی قرارداد کا انکشاف کیا تا کہ اس پر یہودی آبادکاروں کے نئی بستیاں بسائی جائیں اور پولیس کے مراکز قائم کئے جائیں اور اسی طرح کی قرارداد کا اعلان ۱۹۶۷ء میں صہیونی غاصب حکومت نے پہلی بار کیا تھا کہ وہ یہودی رہائشی محلے بنانے کے لئے فلسطینیوں کی زمین ایکوائر کرے گی اور اس کے لئے امن وامان کے قیام اور عوامی مفاد کی رعایت کو ضرورت وسبب قرار دیا تھا (۲)۔

مقبوضہ فلسطینی زمین و جائداد پر زبردستی قبضہ کرنے کی قرارداد نے عالم اسلام اور عالم عرب میں زبردست غم وغصہ اور بے چینی پیدا کردی تھی، اور اسلامی کانفرنس نے ایک قرارداد پیش کر کے صہیونی تجاویز کی مذمت کی لیکن اقوام متحدہ خاص کر امریکہ نے ۱۷ رمئی ۱۹۹۵ء کو سلامتی کونسل کی مذمتی قرارداد کو ویٹو کر کے رد کر دیا جس کو سلامتی کونسل کے مستقل وغیر مستقل ممبروں کی تائید حاصل تھی اور اس وقت عرب ممالک نے شدت سے محسوس کیا کہ مظلوم فلسطینیوں کی جائدادوں کو ضبط کرنے کے معاملہ میں اسرائیل کی منظور کردہ تجاویز کے خطرات ومضمرات پر غوروفکر کرنے کے لئے عرب ممالک کی چوٹی کانفرنس کا انعقاد ضروری ہے تا کہ اس کے خلاف سخت موقف اختیار کیا جائے چنانچہ مئی ۱۹۹۵ء کے اواخر میں مراکش میں عرب چوٹی کانفرنس کے انعقاد کا فیصلہ ہوگیا الا یہ کہ اسرائیل کی صہیونی حکومت فلسطینی علاقوں اور جائدادوں کو ایکوائر کرنے کے فیصلہ کے نفاذ سے رجوع کرلے یا پھر اسکو معلق رکھے یا سردبستہ میں ڈال دے، تب مجوزہ عرب چوٹی کانفرنس کو ملتوی کیا جائے گا (۳)۔

شہر بدری وناکہ بندی:

غاصب اسرائیلی حکومت نے اس سلسلہ میں جوسب سے اہم کارروائی شروع کررکھی

ہے وہ بہت بڑی تعداد میں مسلمان عرب باشندوں کو شہر قدس سے مختلف طریقوں سے شہر بدر کرنا ہے مزید برآں شہر کے اندر سکونت پذیر عربوں پر طرح طرح کے بھاری ٹیکس لگا کر ان کو اقتصادی ومعاشی اعتبار سے کمزور ومحتاج بنا دینا ہے، اسی کے ساتھ اسی شہر انبیاء کی ہر چہار جانب سے ناکہ بندی کر کے فلسطین کے مختلف علاقوں سے آنے والے مسلمانوں کو قدس شہر میں داخل ہونے اور مسجد اقصی میں نماز ادا کرنے سے روکنا ہے خاص کر رمضان شریف میں اس قسم کی پابندی بہت سخت کر دی جاتی ہے کیونکہ رمضان شریف میں قبلہ اول کی زیارت اور مسجد اقصی میں نماز پڑھنے کی آرزو بڑھ جاتی ہے، مشہور صحافی ''فہمی ہویدی'' کے بقول بیت المقدس میں یہودیوں کی بھیڑ اکٹھا ہونے کی وجہ سے بلا استثناء مسلم ومسیحی عرب باشندوں کو بیت المقدس سے کافی دور جلا وطن کرنے کی کارروائی میں شدت پیدا کر دی گئی ہے (۴)، فہمی ہویدی نے امریکی مصنفہ گریس ہالسیل کی شائع کردہ ایک سروے رپورٹ سے اس شہر بدری وناکہ بندی کا ثبوت فراہم کیا ہے۔ مذکورہ امریکی ادیبہ ''گرلس ہالسیل'' نے مقبوضہ فلسطینی علاقوں کا دورہ کیا تھا جس کا اصل مقصد وہاں کے عوام خاص کر عیسائیوں کے احوال وکوائف کی واقفیت حاصل کرنا تھا، اس مصنفہ کی شائع کردہ رپورٹ (اردو ترجمہ) حسب ذیل ہے:

''یروشلم (بیت المقدس) میں اس وقت صرف چالیس ہزار مسیحی باقی رہ گئے ہیں جبکہ پچاس سال قبل ان کی آبادی ایک لاکھ پینتس ہزار تھی، ایسے ہی بیت اللحم شہر کے مسیحی باشندے اتنے کم ہو چکے ہیں کہ ان سب کو دو جمبو جیٹ طیارہ میں دوسری جگہ بآسانی ایک ساتھ منتقل کیا جا سکتا ہے یعنی کل ایک ہزار عیسائی باشندے رہ گئے ہیں جو بیت اللحم کے اصل باشندوں کا ۰۰۱ء۰ حصہ ہیں (امریکی میگزین ''لنک'' شمارہ اا اپریل ۱۹۹۵ء)۔

یہودی نسل کی تطہیر:

بیت المقدس کو تہذیب وتمدن اور تعمیرات وآبادی کے لحاظ سے خالص یہودی صہیونی

شکل وصورت دینے کی پلاننگ نے صہیونی یلغار کی شکل اختیار کرلی ہے، جو نہ صرف سلامتی کونسل کی قرارداد اور اقوام متحدہ کے میثاق کی بے حرمتی ہے بلکہ حقوق انسانی کی پامالی بھی ہے کیونکہ اس طرح یہ صہیونی حملہ زمین وجائداد کے اصل مالکوں کو اپنی ذاتی زمین پر زندگی گذارنے سے محروم کررہا ہے، لیکن صہیونی دہشت گرد اپنی انسانیت سوز کارروائیوں کو یہودی نسل کی تطہیر قرار دیتے ہیں جو اصلاً آہستہ آہستہ بیت المقدس کے اصل مسلم وعیسائی باشندوں کو پوری مکاری وفریب کاری کے ساتھ غلام بنانے کی ایک گھناونی کوشش ہے تاکہ بیت المقدس میں یہودیوں کے مفاد وضرورت کی تکمیل کے لئے میدان صاف ہوجائے (۵)۔ اس مقصد کے لئے ضروری ہے کہ بیت المقدس کو ان تمام اسلامی تمدن وثقافتی اثرات سے جو اسلامی حکومتوں کے زیر اثر صدیوں سے بیت المقدس کے بام ودر میں رچ بس چکے ہیں، محو کرکے اور مٹا کر خالص یہودی تمدن وتہذیب کی شکل دیدی جائے جس میں بغیر کسی نزاع کے یہودیت کا اثر غالب نظر آئے۔

مسجد اقصی پر یہودیت کی چھاپ:

یہودی شناخت کو مسلسل پھیلانے اور بڑھانے کے ساتھ ساتھ صہیونی لابی، مسجد اقصی کو بھی یہودیت میں رنگنے کی پلاننگ پر عمل پیرا ہے اور یہ کام دو رخے طریقہ پر جاری ہے، اول مسجد اقصی کے چاروں طرف بے تحاشا کھدائی جاری ہے جو بیت المقدس پر قبضہ کرنے کے وقت سے ہی شروع کردی گئی تھی جو برابر جاری ہے اور مختلف مراحل سے گذرتی ہوئی مسجد اقصی کی اصل عمارت کی مشرقی وشمالی بنیاد سے متصل زیر زمین حصہ تک پہنچ چکی ہے یہ کھدائی اندر ہی اندر ۱۹۶۷ء سے صہیونی غالب حکومت کروارہی ہے اور اس کے جواز کے لئے یہ بہانہ پیش کیا جارہا ہے کہ (یہودیوں کے باطل دعوی کے مطابق) ہیکل سلیمانی کی اصل قدیم بنیاد کی تلاش ہورہی ہے اور کہا جارہا ہے کہ ہم اس علاقہ میں یہودیوں کے وجود کے تاریخی آثار کی تلاش کررہے ہیں۔ اس طرح اسرائیل نے مسجد اقصی سے متصل زیر زمین ۳۲ سرنگوں کا ایک جال بچھادیا ہے پھر بھی

آج تک اپنے تاریخی وجود کی کوئی علامت نہ پاسکے، البتہ مسجد اقصی کے اچانک انہدام کا تمام ظاہری سامان ضرور پیدا کردیا ہے(٦)۔

بہرحال جہاں تک مسجد اقصی کو یہودی شناخت دینے کا دوسرا پہلو ہے تو وہ غیر اعلان شدہ نفسیاتی حملہ ہے جو بیت المقدس پر قبضہ کے دن سے آج تک بڑھتے بڑھتے ایک عام رجحان کی شکل اختیار کرچکا ہے، انتہا پسند یہودی تنظیمیں اس کو فروغ دینے میں سرگرم ہیں اور دن بدن اس پروپیگنڈہ سے متاثر افراد کی تعداد میں اضافہ ہورہا ہے یہاں تک کہ موجود اسرائیلی پارلیمنٹ میں ایک چوتھائی ممبران اسی فکر کے حامل لوگ ہیں، انتہا پسند یہودی جماعتوں، تنظیموں کی پوری کوشش اس نظریہ کو فروغ دینے میں ہے کہ یہودی مسجد اقصی کے صحن میں اپنی عبادت کریں کیونکہ اس کے بالکل نیچے حضرت سلیمان علیہ السلام کا تعمیر کردہ ہیکل سلیمانی ہے۔

یہ بات سب جانتے ہیں کہ اسرائیل طویل عرصہ سے یہ پروپیگنڈہ کررہا ہے کہ قبہ صخرہ کو ختم کرکے وہاں ہیکل سلیمانی تعمیر کرنے کے ایک بڑے پروجیکٹ پر کام شروع کیا جائے اسرائیلی نقشہ کے مطابق ہیکل سلیمانی کا ایک ماڈل تیار کرکے اسرائیل نے اپنے ایک عجائب گھر میں نمائش کے لئے رکھ رکھا ہے۔

بیت المقدس پر اپنے تسلط کو مستحکم کرنے اور اس کو یہودیت کے رنگ میں رنگنے کے لئے برسر اقتدار صہیونی لابی طرح طرح کی ترکیبیں استعمال کررہی ہے یہی نہیں کہ اس مبارک ومحترم شہر سے منظم طور پر عربی واسلامی آثار محو کئے جارہے ہیں بلکہ ثقافتی وصحافتی طریقہ پر رائے عامہ کو ہموار کرنے کے لئے نشر واشاعت کے وسائل بروئے کار لائے جارہے ہیں جیسا کہ ''القدس ۳۰۰۰'' کے نام سے بیت المقدس کو یہودیت کی آخری شکل دینے کے لئے ایک جشن منایا گیا تھا یہودیوں کا دعوی ہے کہ تین ہزار سال پہلے حضرت داؤد نے بیت المقدس کو اپنا دار السلطنت بنایا تھا اسی وقت سے یہ یہودی مملکت کا پایہ تخت چلا آرہا ہے، یہ جشن ستمبر ۱۹۹۵ء سے

۱۹۹۷ء تک مسلسل پندرہ مہینہ جاری رہا(۷)۔

تاریخی حقائق کے اعتبار سے یہ دعوے بالکل کھوکھلے ہیں، اس لئے کہ یہودی مملکت اسرائیل کے ناجائز قیام پر ۷۷ سال سے زیادہ کا زمانہ نہیں گذرا ہے جو گذشتہ زمانہ کی طویل ترین تاریخ کا ایک مختصر ترین لمحہ ہے جبکہ اپنی طویل تاریخ میں بیت المقدس پر مختلف ادوار میں چالیس مرتبہ سے زیادہ بیرونی حملہ آوروں نے حملے کئے اور یہودیوں کے برعکس بیت المقدس میں مسلمان تیرہ سو سال سے آباد چلے آرہے ہیں اتنی طویل مدت تک کسی دوسری قوم اور جماعت کی تاریخ قیام نہیں ملتی۔

ان دعوؤں، پروگراموں، اشاعتی وثقافتی حملوں اور سیاسی اور اقتصادی اعتبار سے دباؤ ڈالنے سے صہیونی دہشت گردوں کا مقصد بالکل واضح ہے وہ یہ کہ تدریجی طور پر بین الاقوامی رائے عامہ کو اس بات کو مان لینے اور سرکاری سطح پر اعتراف کرنے پر تیار کیا جائے کہ بیت المقدس ہمیشہ سے اسرائیل کا دارالسلطنت ہے۔

بیت المقدس کا تعلق ہمارے عقائد سے ہے:

یہود تو بیت المقدس پر کنٹرول کو مستحکم کرنے اور مکمل طور پر اس کو یہودیت کا روپ دینے کے لئے پوری طاقت اور بے تحاشا دولت خرچ کر رہے ہیں اور برابر بیت المقدس پر اپنے ناجائز حق کا اعلان کر رہے ہیں جس کو پوری دنیا سن رہی ہے۔

مگر ان تمام تحریکوں، کارروائیوں، اعلانات واقدامات کے باوجود مسلمان کہاں ہیں؟ اپنے مقدس شہر کو غاصب یہودیوں سے آزاد کرانے میں ان کی کوششیں اور اس کے لئے ایثار وقربانی کس حد تک ہے؟ وہ بیت المقدس پر اپنے حق کا برملا اعلان کیوں نہیں کرتے؟ بین الاقوامی برادری کو مسلمانوں کے اس حق کو تسلیم کرنے پر رضامند کرنے کی ہمہ گیر تحریک کیوں نہیں چلاتے؟ اور بیت المقدس کی اسلامی عربی روح ختم کر کے اس کو یہودیت کے رنگ میں رنگنے اور صہیونی

شناخت دینے کی اسرائیلی سرگرمی کے خلاف رائے عامہ کو ہموار کیوں نہیں کرتے؟

کوئی بھی مسلمان بیت المقدس کی آزادی وحفاظت کی فکر سے غافل نہیں رہ سکتا، اس لئے کہ بیت المقدس کے مسائل سے دلچسپی رکھنا مسلمانوں کے عقیدہ وایمان کا حصہ ہے، کیونکہ بیت المقدس اپنی تخلیق میں شام وفلسطین کا حصہ ہے یہ دونوں وہ پاکیزہ سرزمین ہیں جس میں اللہ تعالی نے دنیا والوں کے لئے برکات وخیرات رکھی ہیں، اللہ تعالی کا ارشاد ہے:

"ونجيناه ولوطا إلى الأرض التي باركنا فيها للعالمين" (سورہ انبیاء:۷۱)

(اور ہم نے ان کو اور لوط علیہما السلام کو نجات دے کر اس سرزمین پر پہنچایا جس میں ہم نے دنیا والوں کے لئے برکت رکھی ہے)(۸)۔

اسی بیت المقدس میں ابوالبشر سیدنا آدم علیہ السلام نے مکہ مکرمہ میں بیت اللہ شریف کی تعمیر کرنے کے چالیس سال بعد مسجد اقصی کی بنیاد رکھی تھی جیسا کہ رسول عربی ﷺ نے ہمیں خبر دی ہے:

"عن أبي ذر الغفاري ؓ قال: سألت رسول الله ﷺ عن أول مسجد وضع على الأرض؟ قال: "المسجد الحرام" قلت: ثم أي؟ قال: "المسجد الأقصى" قلت كم بينهما؟ قال: أربعون عاماً" (فتح الباری ج۶، رقم الحدیث:۳۳۶۶)۔

(حضرت ابوذر غفاریؓ سے مروی ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا زمین پر سب سے پہلے کون مسجد بنائی گئی؟ ارشاد فرمایا: مسجد حرام، میں نے کہا پھر کون مسجد بنائی گئی، ارشاد فرمایا: مسجد اقصی تعمیر کی گئی، میں نے عرض کیا: دونوں کی تعمیر کے درمیان کتنی مدت کا فصل ہے، فرمایا: چالیس سال کا وقفہ ہے)۔

مسجد اقصی ان تین مساجد میں سے ایک ہے جن کی زیارت کی غرض سے سفر کرنے کی ترغیب واجازت رسول اللہ ﷺ نے مسلمانوں کو دی ہے، امام بخاریؒ نے "فضل الصلاۃ فی

مکۃ والمدینۃ' کے باب کے تحت یہ حدیث نقل فرمائی ہے:

"قال رسول اللہﷺ: لا تشد الرحال إلا إلى ثلاثة مساجد: المسجد الحرام ومسجد رسول الله -صلى الله عليه وسلم- والمسجد الأقصى" (رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تین مسجدوں کے علاوہ کسی مسجد کے لئے رخت سفر نہیں باندھا جائے گا، (۱) مسجد حرام مکہ مکرمہ، (۲) مسجد رسول ﷺ مدینہ منورہ، (۳) مسجد اقصیٰ بیت المقدس)۔

ان احادیث کی روشنی میں مسلمانوں کا بیت المقدس سے تعلق اسلامی عقیدہ کا جزء ہے کیونکہ بیت المقدس وہ پاکیزہ وبابرکت سرزمین ہے جس کو رب العالمین نے اپنے صالح بندوں کے لئے بنایا ہے، فرمان الٰہی ہے:

"ولقد كتبنا في الزبور من بعد الذكر أن الأرض يرثها عبادي الصالحون" (الانبیاء:۱۰۵)۔

بیت المقدس اسلامی مملکت کا جزء ہے:

بیت المقدس ہمیشہ اسلامی مملکت کا ایک اہم جزء رہا ہے خواہ وہ سیدنا آدم علیہ السلام کا عہد اولیں رہا ہو یا سیدنا ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کا عہد امامت رہا ہو، یا سیدنا داؤد اور سیدنا سلیمان علیہما السلام کا دور خلافت رہا ہو یا دوسرے انبیاء ومرسلین علیہم السلام کے سنہرے ادوار رہے ہوں، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

"وإذ ابتلى إبراهيم ربه بكلمات فأتمهن قال إني جاعلك للناس إماماً" (سورہ بقرہ:۱۲۴) (اور یاد کرو اس وقت کو جب ابراہیم کو ان کے رب نے چند باتوں میں آزمایا تو ان کو پورا کر دکھایا اللہ نے فرمایا اے ابراہیم میں تم کو لوگوں کا پیشوا بناؤں گا) (یعنی ابراہیم علیہ السلام کی امامت اس وقت سرزمین اقصیٰ اور اللہ کے پرامن حرم مکہ کے مسلمانوں کے

لئے تھی)۔

اور اللہ تعالی نے حضرت داؤد علیہ السلام سے فرمایا:

"یا داؤد إنا جعلناک خلیفة فی الأرض فاحکم بین الناس بالحق"

(سورہ ص:۲۶) (اے داؤد میں تم کو زمین میں خلیفہ بناؤں گا لہذا لوگوں کے درمیان حق کے ساتھ فیصلہ کرنا)، یعنی داؤد علیہ السلام زمین میں اللہ کے خلیفہ تھے اس اسلامی مملکت پر جس کا پایہ تخت بیت المقدس تھا(۹)۔

بیت المقدس انبیاء کا مسکن اور محشر کی سرزمین ہے:

سرزمین بیت المقدس اور اس کے گرد و پیش کے علاقہ کی جانب حضرت ابراہیم خلیل اللہ اور حضرت لوط علیہما السلام نے ہجرت فرمائی تھی تاکہ اسلام کا پیغام ان علاقوں تک پہنچائیں اور اسی بابرکت سرزمین پر بہت سے نبیوں اور رسولوں کی ولادت باسعادت ہوئی، جن میں حضرت ابراہیم کے صاحبزادگان حضرت اسماعیل وحضرت اسحاق اور ان کے پوتے وپرپوتے حضرت یعقوب وحضرت یوسف علیہم السلام ہیں، اور اسی بقعہ مبارکہ میں آسمان سے ان پاکیزہ نفوس رسولوں ونبیوں پر اللہ رب العزت کی جانب سے وحی الہی نازل ہوئی تھی۔

ان سب فضائل وخصائص کے علاوہ بیت المقدس کی بابرکت سرزمین بعث ونشور کی سرزمین ہے، اسی پر محشر بپا ہوگا جیسا کہ حدیث رسول عربی ہے اور اس کے باشندے اسلامی سرحدوں کی پاسبانی اور جہاد فی سبیل اللہ میں سرگرم رہیں گے اور اسی بابرکت سرزمین حضرت عیسی مسیح علیہ السلام کا قرب قیامت میں نزول مسعود ہوگا، اور یہی وہ متبرک زمین ہے جس کی خاک میں کتنے سارے پاکیزہ اجسام محفوظ ہیں ان ہی جسموں میں سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا جسد اطہر ہے (بعض روایتوں میں ہے کہ حضرت ابراہیمؑ بیت اللہ شریف کے حطیم میں آسودہ خاک ہیں) ان ہی مبارک مطہر اجساد میں حضرت یعقوب، حضرت یوسف، حضرت موسی ودیگر جلیل

القدر رسولوں (علیہم السلام) کے جسد اطہر ہیں۔

نہ جانے کتنے صحابہ کرام وتابعین وتبع تابعین۔رضی اللہ عنہم ورضوا عنہ۔ دوران جہاد فی سبیل اللہ ان خطوں کو اپنے پاکیزہ لہو سے سیراب کیا ہے ان ہی مجاہدین میں یگانۂ روزگار افراد بھی تھے اور یہی وہ سرزمین ہے جس کی آغوش میں بیٹھ کر امام ابو حامد غزالی رحمہ اللہ نے بڑی معرکۃ الآراء کتابیں تحریر فرمائیں، خاص کر''احیاء علوم الدین'' جیسی شہرۂ آفاق کتاب۔

ہوامش وحواشی:

(۱) مروہ ادیب جبرہ''القدس تحت الاحتلال الاسرائیلی جغرافیا وديموقراطیاً'' ندوۃ:''فلسطین عبر عصور التاریخ'' مرکز البحوث والدراسات التاریخیۃ کلیۃ الآداب جامعۃ القاہرہ ۴-۵ رنومبر ۱۹۹۵ء۔

(۲) احمد یوسف القرعی''القدس''۱۹۹۵ء وتحدیات السنوات الثلاثۃ المقبلۃ'' مجلۃ''السیاسۃ الدولیۃ، شمارہ ۱۲۳، جنوری ۱۹۹۶ءص:۲۱۰۔

(۳) مروہ ادیب جبرہ، مرجع سابق ص:۱۔

(۴) فہمی ہویدی:''القدس فی المزاد'' جریدۃ الأہرام ۷ر۱۱ر۱۹۹۵ء، ص:۱۱۔

(۵) فہمی ہویدی:''شہادات مقدسیۃ قبل الفرق'' جریدۃ الأہرام، ۷ر۱۱ر۱۹۹۵ء، ص:۱۱۔

(۶) عکرمہ صبری:''منزلۃ القدس فی الاسلام وتاثیر الاستیطان والحفریات علیہا'' ندوۃ القدس''القدس'' جامعۃ الدول العربیۃ، القاہرہ، ۱۳-۱۴ر۳ر۱۹۹۵ء، ص:۷۔

(۷) ناصر الدین الشاعر:''احتفالات القدس ۳۰۰۰: تثبیت لواقع سیاسی وتجاہل لمنطق التاریخ'' جریدۃ الحیاۃ اللندنیۃ ۵ر۹ر۱۹۹۵ء۔

(۸) جمال عبدالہادی:''بیت المقدس اسلامیۃ'' دار الوفاء للطباعۃ والنشر المنصورۃ، مصر ط ا، ص:۶۔

(۹) جمال عبدالہادی، مصدر سابق، ص:۷۔

☆ یہ مضمون شائع ہوا مجلۃ الوعی الاسلامی شمارہ ۴۱۸ جمادی الآخرہ ۱۴۲۱ھ موافق اگست ۲۰۰۰ء

مسجد اقصیٰ کی آتشزدگی پر ۴۳ سال گذر گئے

ہے کوئی اس کی مدد کرنے والا؟

شیخ الخضری علی السید

"سبحان الذی أسری بعبده لیلاً من المسجد الحرام إلی المسجد الأقصی الذی بارکنا حوله لنیره من آیاتنا إنه هو السمیع البصیر" (سورہ اسراء:۱)

(پاک ہے وہ ذات جو لے گئی رات کے مختصر حصہ میں لے گئی اپنے بندے (محمد) کو مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک جس کے اردگرد ہم نے برکت رکھی ہے تاکہ دکھائیں ان کو اپنی نشانیوں میں سے بیشک وہ اللہ سننے والا دیکھنے والا ہے)۔

۸/جمادی الثانی ۱۴۲۱ھ موافق ۲۱/اگست ۱۹۶۹ء مسجد اقصیٰ کو صہیونی دہشت گردوں، اسرائیلی غاصبوں کے ذریعہ نذر آتش کرنے کے المناک سانحہ پر ۴۳ سال گذر چکے ہیں (لیکن اس کا زخم ہرا ہے اور بیت المقدس و مسجد اقصیٰ کی ابھی تک تازہ ہے)۔

۸/جمادی الثانیہ ۱۳۸۹ھ موافق ۲۱/اگست ۱۹۶۹ء جمعرات کے دن، ملعون و غاصب اسرائیل نے ایک منصوبہ کے تحت مسجد اقصیٰ کو بھڑکتے شعلوں کے حوالے کردیا اس آتش زدگی میں مسجد اقصیٰ کے جنوبی مشرقی حصہ کو شدید نقصان پہنچا جبکہ منبر شریف پوری طرح سے جل کر خاک ہوگیا، پہلے پہل صہیونی جماعتوں نے دعویٰ کیا کہ بجلی کی تاروں سے آگ لگی پھر اس سے رجوع کرتے ہوئے کہا جانے لگا کہ ایک اسرائیلی باشندے نے مسجد کو آگ لگائی، اس

صہیونی سازش سے اسلامی شعائر و آثار کو محو کرنے اور اسلامی و دینی مقدسات کو نیست و نابود کرنے کے سلسلہ میں اسرائیل کے جارحانہ عزائم کھل کر سامنے آ گئے تا کہ اسرائیل مسجد اقصیٰ کے کھنڈر پر اپنے مرعوبہ ہیکل سلیمانی کی تعمیر کر سکے۔

آپ نے دیکھا اسلام کے خلاف ایک زبردست سازش کس انداز میں تکمیل کو پہنچی اور صہیونیوں نے مسلمانوں کے ساتھ کس انتہائی حد تک حقارت آمیز برتاؤ کیا ہے؟ مسلمانوں کے مقدس مقامات کی یہ بے حرمتی اور ان کے خلاف جارحیت مسجد اقصیٰ کو نذر آتش کرنے کی کارروائی سے چند سال قبل جنگ ۶۷ء کے مجرم اسرائیلی وزیر اعظم ڈیوڈ گوریان کا بے شرمی سے یہ اعلان کرنا کہ "بیت المقدس کے بغیر اسرائیل بے معنی ہے اور مسجد اقصیٰ کے بغیر بیت المقدس بے معنی" کے تناظر میں دیکھا جائے تو مسلمانوں کے قبلہ اول اور تیسرا حرم پاک۔ مسجد اقصیٰ کو جلانے کا اسرائیلی جرم اچانک پیش آنے والا حادثہ نہیں، بلکہ سوچے سمجھے منصوبے کا حصہ ہے کیونکہ اسرائیل کافی عرصہ سے مسجد اقصیٰ پر مکمل قبضہ کرنے کے لئے ہیکل سلیمانی کی تلاش کو دلیل بنا کر مسجد اقصیٰ کے چاروں سمت کھدائی کروا رہا ہے اور ہزاروں مربع میٹر کے دائرہ میں گہری سرنگیں کھدوا کر مسجد کی بنیادوں کو کمزور کرنے کے لئے کیمیائی مواد کا استعمال کر چکا ہے جس کا انکشاف ماہرین کر چکے ہیں۔

افسوسناک بات یہ ہے کہ ہمارے قبلہ اول اور تیسرے حرم پاک کو نذر آتش کرنے کا واقعہ کوئی اچانک پیش آنے والا حادثہ نہیں تھا، مسلمانوں نے مسجد اقصیٰ کو نذر آتش کرنے کے جرم سے نہ دھوکا کھایا ہے اور نہ آئندہ اپنے مقدس مقامات کی اسرائیل کی جانب سے بے حرمتی - اللہ کرے ایسا نہ ہو- دھوکا کھائیں گے کیونکہ بیت المقدس کے متبرک اسلامی آثار اور خود مسجد اقصیٰ کے سلسلہ میں یہودیوں کے گھناؤنے عزائم اور ان کی منصوبہ بندیاں سرزمین مقدس پر اسرائیل کے ناپاک وجود سے بہت پہلے سے تحریری شکل میں موجود ہیں کہ کس طرح مسجد اقصیٰ کو منہدم

کر کے اس کی باقیات پر ہیکل سلیمانی تعمیر کرنے کا صہیونی پلان مرتب کیا گیا ہے، یقیناً ان سب جرائم اور مسجد اقصیٰ کو نذر آتش کرنے کا واقعہ یہودیوں کے علم میں تھا جس پر بہت منظم انداز میں عمل شروع کیا گیا ہے، درج ذیل دستاویزوں اور دلائل اس خیال کا ثبوت ہیں:

۱- جیوش انسائیکلو پیڈیا میں لکھا ہے: یہود بیت المقدس پر یورش کر کے مسلمانوں کو مغلوب کرنے اور بیت المقدس میں اپنی سلطنت قائم کر کے مسجد اقصیٰ میں ہیکل سلیمانی کی طرف رخ کر کے عبادت کرنے کے منصوبہ پر متفق ہیں۔

۲- انسائیکلو پیڈیا آف برٹانیکا میں لکھا ہے کہ " یہود، اسرائیل کو توسیع دینے، عظیم تر یہودی مملکت قائم کرنے اور ہیکل سلیمانی کو دوبارہ تعمیر کرنے کے خواہاں ہیں۔

۳- یہودیوں نے فلسطین پر برطانوی انتداب (نگرانی ونمائندگی) کے وقت برطانوی حکومت سے مطالبہ کیا تھا کہ بیت المقدس میں مسجد اقصیٰ کو یہودیوں کے حوالہ کیا جائے کیونکہ فلسطین حقیقت میں ان کا آبائی ملک ووطن ہے۔

۴- بتایا جاتا ہے کہ پہلی عالمی جنگ کے بعد بیت المقدس پر مقرر پہلے برطانوی گورنر رونالڈ اسٹورس نے ۱۹۱۸ء میں ایک عظیم الشان دعوت کا اہتمام کر کے اس میں فلسطین کے عرب لیڈروں اور اسرائیل کے اہم صہیونی لیڈروں کو مدعو کیا تھا تاکہ معاہدہ بالفور پر عمل درآمد کے لئے اتفاق رائے کی کوئی صورت پیدا کی جائے رات کے کھانے (ڈنر) کے بعد وایزمین نے کھڑے ہوکر یہ تقریر مدعوئین زعماء کے روبرو کی تھی، اس نے کہا:

" اور جو لوگ یہ کہہ رہے ہیں کہ فلسطین میں یہودیوں کے سیاسی مقاصد ہیں، وہ بہت خباثت وخیانت کی باتیں کر رہے ہیں، حقیقت یہ ہے کہ یہودیوں کی صرف یہ خواہش ہے کہ وہ اپنے قدیم وطن میں اپنے فلسطینی بھائیوں کے پڑوسی بن کر سکون وامن سے

رہیں پھر وایزمین نے بہت مکاری سے مصحف شریف کا ایک نسخہ عرب لیڈروں کی خدمت میں سونے سے مزین لکڑی کے رحل (باکس) میں پیش کیا تھا۔

۵- ۱۹۲۹ء میں یہودی لیڈر ''جلوزیز'' نے یہ اعلان کیا تھا کہ مسجد اقصی یہودیوں کے سب سے مقدس مقام ہیکل سلیمانی پر بنی ہے۔

۶- برطانوی وزیر لارڈ مثشٹ نے کہا تھا: ہیکل سلیمانی کو دوبارہ بنانے کا دن بہت قریب ہے میں اپنی باقی ماندہ زندگی مسجد اقصی کی جگہ ہیکل سلیمانی بنانے پر صرف کروں گا۔

۷- یہودیوں کا یہ خواب جولائی ۱۹۶۷ء کی جنگ کے بعد اپنی تنفیذی شکل میں ظاہر ہونے لگا اور اسرائیل نے سلامتی کونسل اور اقوام متحدہ کی اسمبلی جنرل کی قرارداد کو چیلنج کرتے ہوئے اپنے ناجائز وجود کو مقبوضہ فلسطین میں مستحکم کرنے کا عزم وارادہ کرلیا بیت المقدس پر قبضہ کے ابتدائی ایام میں مقدس مقامات کی اہانت اور عرب مسلمانوں کی رائے عامہ کی تحقیر وتذلیل کی کوشش کرنے لگا جس کے مظاہر حسب ذیل ہیں:

(۱) عام اسرائیلی مردوں اور عورتوں کو نیم عریاں شرمناک حالتوں میں مسجد اقصی کے صحن میں داخل ہونے کی چھوٹ دینا گویا وہ سب کسی عیاشی وفحاشی کے اڈے پر رنگ رلیاں منانے آئے ہیں۔

(۲) مسجد اقصی سے متصل تمام تاریخی عمارتوں کو منہدم کرنا۔

(۳) قدیم عبرانی آثار اور ہیکل کی تلاشی کے نام پر مسجد اقصی سے متصل گہری سرنگیں کھدوانا جن سے مسجد کی بنیاد کو بھاری نقصان پہنچے۔

(۴) بیت المقدس پر قبضہ کے بعد اسرائیل کے وزیر مذہبی امور نے بیت المقدس میں منعقد ایک مذہبی کانفرنس میں جاری کردہ اپنے بیان میں کہا تھا کہ:

شہر القدس اور مسجد اقصی کی زمین یہودی ملکیت ہے اس لئے کہ دو ہزار سال قبل

ہمارے آباءواجداد نے اس کو خریدا تھا۔

(۵) ہیکل کی دوبارہ تعمیر کی غرض سے مال جمع کرنے کے لئے جگہ جگہ مراکز قائم کئے گئے۔

(۶) مسجد اقصی کے تئیں اسرائیل کے جارحانہ عزائم سے مسجد اقصی کو بچانے کے قائم کمپنی ''لجنۃ انقاذ القدس'' عربی یونیورسٹی کی مجلس شوری کے سامنے ایک دستاویز پیش کی تھی، جو دراصل امریکی ماسون رہنما ''گریڈی ٹری'' کا بیان ہے جس میں اس نے کہا ہے، کہ ہیکل سلیمانی درحقیقت ماسونی مجلس ہے جس کے امیر سلیمان علیہ السلام تھے اور مسجد عمرؓ عین ہیکل کے اوپر بنی ہے، ہیکل اور صخرہ ہی وہ قربان گاہ ہے جس میں ابراہیم علیہ السلام نے اپنے صاحبزادے اسماعیل کو اللہ کے لئے قربان کیا تھا...اور میں امریکا میں اس ماسونی جماعت کا صدر ہوں جو ہیکل کی دوبارہ تعمیر کی متمنی ہے اور ہماری ماسونی تنظیم اس غرض کے لئے دس کروڑ ڈالر کا عطیہ جمع کرے گی۔

(۷) اسرائیلی اخبارات ورسائل مسجد اقصی کو سرے سے ختم کرنے کی کارروائی کے لئے راہ ہموار کرنے میں لگے ہوئے ہیں، ان کی خاص تحریک یہ ہے کہ جتنی جلد ہو سکے اسلامی مقدسات پر قبضہ کر کے ان کو اسرائیلی اقتدار کے تابع بنا دیا جائے خواہ کچھ بھی قیمت چکانی پڑے بیت المقدس اور مسجد اقصی پر تسلط سے بڑھ کر کچھ نہیں۔

پھر المناک ودردناک حادثہ پیش آنے کے بعد جس کے کرب ودرد سے مسلمانوں کو دوچار ہونا پڑا جب کہ یہودیوں نے بیت المقدس میں ان کے سب سے مقدس مقام مسجد اقصی کو بھڑکتے شعلوں کے حوالے کر دیا، اس حادثہ کے پیش آنے کے بعد اکثر اخبارات وجرائد اور اسلامی عربی مجلّات ورسائل نے سیاہ سرورق کے ساتھ خاص ضمیمے شائع کئے اور اپنے جان لیوا رنج وغم کو بیان کرنے والوں کے برقی پیغامات، احتجاجات اور مراسلات سے اخبارات کے صفحات بھر گئے لوگوں نے اس سانحہ پر اپنے شدید جذبات اور احساسات کا کھل کر اظہار کیا، غیظ وغضب

کا ایک طوفان تھا دنیا کے ہر ملک کے مسلمانوں اور انصاف پسند غیر مسلموں نے اسرائیلی جارحیت کی بیک زبان مذمت کی، پھر آہستہ آہستہ احتجاج و مذمت کا یہ دور ختم ہو گیا وہ شدت نہ رہی مگر اس کے باوجود ۴۳ سال گذرنے کے بعد بھی بیانوں، اور اپیلوں کا سلسلہ جاری ہے، مسجد اقصی کو نذر آتش کرنے کا سانحہ فراموش نہیں کیا گیا ہے، اس کی کسک باقی ہے۔

ہم یہاں امت مسلمہ سے سوال کرتے ہیں، آپ کو کس چیز کا انتظار ہے؟ آئندہ کیا کرنے کا ارادہ ہے؟ کیا اسرائیل کے ان تمام باغیانہ جرائم کے بعد بھی مسلمانوں کے پاس اسرائیل کے خلاف اقدام نہ کرنے کا کوئی عذر ہے؟

مسلمانو! یہ تو محال بات ہے کہ جو مسلمانوں سے جنگ کر رہے ہیں اور اسلام کو ختم کرنے کے درپے ہیں ان میں سے کوئی آپ کا اس کام میں مددگار اور موید ہو، ان سے تو یہ ممکن نہیں کہ وہ ناز برداری کے عادی اسرائیل سے محض زبانی ہی بیت المقدس کی حفاظت کے بارے میں کچھ کہیں، خدانخواستہ مسجد اقصی کو نذر آتش کیا جاتا ہے تو میرے دینی بھائیو! بتاؤ ہمارا ردعمل کیا ہونا چاہئے؟ کس چیز کا انتظار کر رہے ہو بتاؤ نا کہ تمہارے مکار فریبی غدار دشمن کے اس گناہ پر کیا ہونا چاہئے، ایک ایسا بے شرم دشمن جس نے اپنی سیاہ تاریخ کے طویل دور میں شرافت و تہذیب کو جانا ہی نہیں اللہ تعالی نے سچ فرمایا ہے: ''اے رسول آپ یہود و مشرکین کو مسلمانوں کا سب سے بڑا دشمن پائیں گے'' (سورہ مائدہ: ۸۲)، حقیقت تو یہ ہے کہ مسجد اقصی کو نذر آتش کرنے کی یہ کارروائی آخری کوشش نہیں ہے بلکہ اسرائیل کا پلان اس سے بہت بڑا ہے یعنی مسجد اقصی کی جگہ ہیکل سلیمانی کی تعمیر و تنصیب۔

وہ حقیقت جس سے انکار ممکن نہیں وہ یہ ہے کہ صہیونیت کی ہمارے خلاف لڑائی یہودیت کی جنگ ہے یہودیوں نے اس کے مضمون اور مقاصد کو پہلے سے متعین کر رکھا ہے وہ آج اس مضمون کو کھول رہے ہیں جو کسی ذی شعور شخص سے پوشیدہ نہیں۔

اسرائیل کے ساتھ ہماری جنگ سامراجی طبقاتی لڑائی ہے جس طرح سے کہ وہ مذہبی لڑائی بھی ہے، جس کو ہم نے مذہبی جنگ نہیں بنایا بلکہ ان عناصر نے بنایا ہے جنہوں نے اطراف عالم سے یہودیوں کو فلسطین میں جمع کر کے جنگ کرنے کو تیار کیا ہے یہ وہ دشمن ہیں جو مسلمانوں سے اپنا قدیمی بغض و کینہ نکالنا چاہتے ہیں جس میں وہ اپنی پہلی یلغار میں کامیاب نہ ہو سکے تھے اور اب وہ اپنے ہزاروں سال پرانے بغض کو گروہی و نسلی طبعی جذبات برانگیختہ کر کے نکالنا چاہتے ہیں۔

اسرائیل سے ہماری یہ مذہبی جنگ ایسی ہے جس کے اسباب کو ہم بدل نہیں سکتے کیونکہ ہم نے اس کو نہیں چھیڑا ہے اور نہ ہی اس کی منصوبہ بندی کی ہے اور نہ ہی اس کی غرض و غایت کی تعیین کی ہے البتہ ہم کو یہودیوں کے گمان و تصور کے برعکس اس کے نتائج کو اپنے حق میں کرنے کے لئے پیش قدمی کرنی ہے۔ کیا عربوں اور مسلمانان عالم میں ایسے افراد نہیں ہیں جن کو ماسکو، میڈ وڈ اور جنیوا کانفرنس، اور حکومتی اداروں، تنظیموں اور عالمی برادری وغیرہ سے امیدیں وابستہ نہیں کہ ان کوششوں سے کوئی پر امن حل نکل آئے گا؟

کیا ان لوگوں میں ایسے افراد نہیں ہیں جن کا نظریہ یہ ہے کہ عرب اسرائیل جنگ فلسطین کی خاطر ہے؟ یا مشرق وسطی کے لئے ہے؟ سچ تو یہ ہے کہ یہ جنگ مسلمانوں کو خاکستر بنانے اور اسلام کو ختم کرنے کے لئے اسرائیل اور اس کے حلیفوں نے شروع کی ہے۔

کیا مسجد اقصی کو نگل جانے والی آگ کی لپٹوں کو دیکھنے کے بعد بھی مسلمانوں کو ایسے افراد کی ضرورت ہے جو صیہونی استبداد کے مقابلہ میں ان کو متحد ہونے اور ایک صف میں کھڑے ہونے کے ارادوں کو شعلہ زن بنائے اور ان کی اسلامی غیرت وحمیت کو بھڑکائے؟

جس وقت مسلمانوں کو یہ احساس ہو جائے گا کہ مختلف طرح کے گردابوں، خواہ فلسطین کا مسئلہ ہو یا کسی اور جگہ کا سے نکلنے کے رجوع الی اللہ کے سوا کوئی راہ نہیں ہے اور جب اس شعور

کے ساتھ اللہ کی طرف متوجہ ہوں گے اس کی تعلیمات واحکام اور اوامر پر عمل پیرا ہوں گے تب اللہ ان کی مدد کرے گا جیسا کہ فرمایا:

"إن تنصروا الله ينصركم ويثبت أقدامكم" (محمد:۸) (اگر تم اللہ کے دین کی مدد کرو گے تو اللہ تمہاری مدد کرے گا اور تمہارے قدموں کو جمادے گا)۔

لہذا جب ہم خوب اچھی طرح سچے ارادوں سے چل پڑیں گے اس وقت ہمارے لئے ممکن ہوگا کہ اس راستہ پر گامزن ہوں جو شہر مقدس، بیت المقدس کی یہودیوں کے پنجہ استبداد سے خلاصی تک پہنچانے والا ہو۔

مصادر و مراجع:

(۱) بیت المقدس فی ضوء الحق والتاریخ: د.عبدالحلیم یونس۔

(۲) مجلۃ الازہر: شعبان ۱۴۰۸ھ کا شمارہ۔

(۳) مجلۃ الامۃ قطر، شمارہ: ۳۶۔

(۴) مجلۃ "الوعی الاسلامی" کویت شمارہ: ۵۵۔

(۵) مجلۃ "الوعی الاسلامی" کویت شمارہ: ۵۷۔

☆ یہ مضمون "الوعی الاسلامی" شمارہ ۱۸، جمادی الآخرہ ۱۴۲۱ھ کے ص: ۲۸ پر شائع ہوا۔

بیت المقدس کے لئے فاروقی دستاویز

ڈاکٹر ابراھیم احمد العدوی

خلیفہ راشد دوم امیر المومنین عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے اسلامی خلافت کے دار الحکومت مدینہ منورہ سے ملک شام کے مبارک شہر بیت المقدس کا طویل تاریخی پرمشقت سفر اس لئے کیا تاکہ ''بیت المقدس'' کو بنفس نفیس اسلامی خلافت کا حصہ بنائیں، مزید برآں اس سفر کے ذریعہ فاروق اعظمؓ نے آنے والی عرب نسلوں کے لئے اس حقیقت کا ایک عملی ثبوت فراہم کر دیا، اس قدیم مبارک شہر جس کو ان کے پرانے آباء واجداد نے بسایا تھا اصالۃً عربوں اور مسلمانوں کا حق ہے، نیز اس سفر سے ایک تطبیقی مثال اس لئے قائم فرمادی کہ امت مسلمہ کے جیالے۔نسلاً بعد نسل۔تاریخ میں بدنام صہیونیت کے علمبردار سازشی یہودیوں کے مکروفریب سے بیت المقدس اور اس مقدس مقامات کی حفاظت کی ذمہ داریوں کو پورا کرتے رہیں، یہاں تک کہ یہ خالص عربی شہر (گذشتہ ادوار کی طرح آئندہ زمانوں میں بھی) ہمیشہ امن وسلامتی کا گہوارہ بنا رہے۔

قابل غور پہلو یہ ہے کہ خلیفہ اعظم حضرت عمر فاروقؓ نے کن وجوہات کے پیش نظر بیت المقدس کا طویل سفر فرما کر اس کے شرف واعزاز میں اضافہ فرمایا جبکہ ان کے عہد میں دوسرے بہت سے علاقے فتح کئے گئے مگر ان میں سے کہیں وہ نہیں گئے مگر آپ نے اہل قدس خاص کر عیسائیوں کے پادری ''صفرنیوس'' کی درخواست کو شرف قبولیت بخشا جس نے صریح اعلان کیا تھا کہ مسلمانوں کے خلیفہ کے علاوہ ہم شام وفلسطین میں برسرپیکار کسی اسلامی سپہ سالار کے حوالے بیت المقدس نہیں کریں گے۔

بیت المقدس کے پادریوں اور باشندوں کی اس درخواست کو اسلامی خلافت نے جس قدر جلد منظور کر لیا اس سے اس مقدس شہر کے سلسلہ میں نئی انقلابی تبدیلی کا انکشاف ہوتا ہے جس کی بنیاد دو اہم ترین پہلو پر ہے۔

اول: ان تمام کبار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جو صائب الرائے اور فہم وفراست کے مالک تھے اور نظام خلافت چلانے میں خلیفہ دوم ان سے مشورے وغیرہ لیا کرتے تھے گویا اس وقت مجلس شوریٰ کے ارکان مانے جاتے تھے، ان سبھی نفوس قدسیہ نے اس سفر کی تائید فرمائی تھی تاکہ بیت المقدس (جو مسلمانوں کا قبلہ اول ہے) کی اسلامی مملکت میں شمولیت سے دین اسلام کے ساتھ اس کے دینی روابط پختہ ہوں نیز اس شہر کے مقدس مقامات اور بابرکت تاریخی دینی آثار کی حفاظت جو مسلمانوں پر واجب ہے اور اچھے طریقہ پر ہو سکے گی جو کہ درحقیقت فی نفسہ اس نئے اسلامی دین کی حفاظت ہے۔

دوم: امیر المومنین حضرت عمرؓ نے یہ سفر کر کے اپنی جانب سے اس بات کی توثیق کر دینی چاہی کہ بیت المقدس کی آزادی کی تکمیل ارض فلسطین کی آزادی سے وابستہ ہے اور خلیفہ ثانی کا یہ موقف شام وفلسطین میں آزادی کی لڑائی لڑنے والی اسلامی فوج سے اس پورے خطہ پر اسلامی خلافت کے کامل اقتدار کو یقینی بنانے کا مطالبہ کرتا ہے، اس بنیاد پر کہ فلسطین وشام کے پورے علاقہ میں جاری جنگ ایسا مقدس جہاد ہے جس میں برابری کے ساتھ ہر امیر وغریب، چھوٹے اور بڑے مسلمانوں کو شریک ہونا چاہئے، اسی میں دنیا کی عزت وشوکت اور آخرت کی راحت وجنت کا سامان پنہاں ہے۔

فلسطین وشام میں سرگرم جہاد اسلامی لشکر کے سپہ سالاروں کی جانب سے خلافت راشدہ کے پایہ تخت مدینہ منورہ میں جو خفیہ اطلاعات اور خبریں موصول ہو رہی تھی وہ امیر المومنین فاروق اعظمؓ کو فلسطین وشام کی آزادی کے لئے بذات خود فلسطین کا بہت جلد سفر کرنے پر آمادہ

کررہی تھیں، وہ اطلاعات یہ تھیں کہ وہاں پر موجود بیزنطینی دشمن - رومی فوج - نے اسلامی فوج کی پے در پے فتح اور پیش قدمی سے گھبرا کر شام وفلسطین کے متعدد شہروں سے نکل کر بیت المقدس میں جمع ہونے اور اس کو اپنا مرکز بنانے کا پختہ ارادہ کرلیا تھا تا کہ اسلامی فوج کی پیش قدمی کو ناکام بنانے کے لئے بیت المقدس میں قلعہ بند ہو کر اپنی حربی ودفاعی قوت کو مجتمع اور مستحکم کرنے پر توجہ دیں۔

اس بیزنطینی پلاننگ کو رومی سپہ سالار ''ارتیون'' (جس کو عربوں میں ''ارطبون'' کے نام سے شہرت حاصل ہے) نے تیار کیا تھا، سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اس مشہور سپہ سالار کا مقابلہ کرنے کے لئے جانبازی ومنصوبہ بندی میں مشہور اسلامی سپہ سالار حضرت عمر بن العاصؓ کو یہ ارشاد فرما کر بھیجا تھا کہ ہم نے روم کے ارطبون کے مقابلہ میں عرب کے ''ارطبون'' کو روانہ کیا ہے اور معرکہ اجنادین میں سیدنا عمرو بن العاص کی قیادت میں اسلامی فوج نے رومی سپہ سالار ''ارتیون'' کو شرمناک شکست سے دوچار کیا اور اس نے پسپا ہو کر اپنی فوج کے ساتھ بیت المقدس میں پناہ لی، اور مسلمانوں سے مقابلہ کے دوران اس نے اپنے اس پلان کو ظاہر کردیا۔

ارتیون نے بیت المقدس میں اپنے ٹھکانے سے اپنے خباثت بھرے منصوبہ کا اعلان اس مکتوب میں کیا جو اس نے عمرو بن العاص کے نام اجنادین میں روانہ کیا تھا جس میں سپہ سالار اسلام کو مخاطب کرتے ہوئے لکھا تھا:

عمر بن العاص اسلامی قائد کے نام

یقیناً آپ میرے دوست اور میرے لئے نظیر ہیں، آپ اپنی قوم میں وہی مقام رکھتے ہیں جو میرا میری قوم میں ہے، بخدا آپ معرکہ اجنادین کے بعد سرزمین فلسطین کا ایک ٹکڑا بھی فتح نہیں کرسکتے بہتر ہے کہ آپ فلسطین سے واپس لوٹ جائیں اور لڑائی بند کردیں، ورنہ آپ کو اسی قسم کی ہزیمت اٹھانی پڑے گی جو آپ سے پہلے لوگوں کا مقدر بنی''۔

حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے ''ارتیون'' کے اس خط کے بعد حضرت عمر فاروقؓ کے پاس مکتوب روانہ کیا تھا جس میں فلسطین و بیت المقدس کے بارے میں اپنے موقف کی وضاحت اس انداز میں کی تھی:

''میں پوری قوت وشدت اور حکمت عملی سے جنگ کو جاری رکھے ہوئے ہوں مگر کچھ شہروں (بیت المقدس وغیرہ) کو آپ کے لئے بچا رکھا ہے تا کہ آپ کے ہاتھوں خلافت کا حصہ بنیں، آپ کی رائے کا انتظار ہے۔''

حضرت عمرؓ کو سپہ سالار اسلام عمرو بن العاصؓ کی رائے پر کامل اعتماد ہوتا تھا لہذا انہوں نے اس خط کے بعد نکلنے کی تیاری شروع کر دی تا کہ بذات خود عیسائیوں کے پنجۂ استبداد سے ان شہروں کو آزاد کرائیں جن کو اللہ رب العزت نے ان کے لئے بچا رکھا تھا جیسا کہ ان کے دلیر و تجربہ کار سپہ سالار نے سرزمین فلسطین کے سلسلہ میں ان سے ذکر کیا تھا۔

مدینہ منورہ میں جاری ان تیاریوں کو، ان رپورٹوں نے قوت واعانت فراہم کر دی تھی جو ملک شام میں سرگرم جہاد، مجاہدین اسلام کے قائد اعلیٰ حضرت ابوعبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ مدینہ منورہ روانہ کی تھیں، جب کہ انہوں نے شام سے فوجی کمک عمرو بن العاصؓ کی مدد کے لئے فلسطین کے محاذ جنگ پر روانہ کی تھی، معاملہ میں غور وخوض کے لئے ایک حربی مجلس مشاورت قائم کر دی گئی تھی تا کہ جن جن محاذوں پر مسلم افواج سرگرم ہے ان محاذوں کو مضبوط کیا جائے سپہ سالار اعظم ابوعبیدہ بن الجراحؓ کے پیش نظر دو پلان تھے:

۱- پہلے قیساریہ کی فتح کے لئے اسلامی لشکر روانہ کرنا جہاں رومی فوج کی موجودگی کی وجہ سے حضرت عمرو بن العاص کو اجنادین سے روانہ ہو کر فلسطین پہنچنے میں دشواری پیش آرہی تھی۔

۲- فوری طور پر اسلامی فوج کی بیت المقدس کی جانب پیش قدمی کرنے کا اعلان کر دیا جائے تا کہ ارطبون اور اس کی فوج وہاں قدم نہ جما سکیں۔''

دفاعی کمیٹی نے اس امر پر اتفاق رائے کیا کہ اس سلسلہ میں امیر المومنین فاروق اعظمؓ سے مشورہ کرلیا جائے۔ حضرت معاذ بن جبلؓ نے حضرت ابوعبیدہ بن الجراحؓ سے عرض کیا کہ آپ فوراً خلیفہ کے پاس صورت حال لکھ کر روانہ فرمائیں پھر وہ آپ کو جو حکم صادر فرمائیں اس پر کاربند ہوں، سپہ سالار شام نے اس رائے کی تائید کی اور مکتوب روانہ فرمایا جس میں پیش آمدہ صورت حال کی وضاحت کی تھی اور اپنے موقف کو بیان کیا گیا تھا، حضرت عمر بن الخطابؓ نے قائد شام کی رپورٹ موصول ہونے کے بعد کبار صحابہ کی مجلس شوری طلب فرمائی اور ان کو حضرت ابوعبیدہ کا خط پڑھ کر سنایا، کشادہ دلی سے تبادلۂ خیالات کے بعد حضرت علی بن ابی طالبؓ نے عرض کیا اس سلسلہ میں موقف بالکل واضح ہے، امیر المومنین آپ ابوعبیدہ بن الجراحؓ کو حکم دیں کہ اسلامی لشکر کو پہلے بیت المقدس بھیج دیں جب اللہ تعالی اس کو فتح کرا دیں تب اس کا رخ قیساریہ کی طرف پھیر دیں، انشاء اللہ بیت المقدس کے بعد قیساریہ بھی فتح کرلیا جائے گا، مجلس شوری کی اس رائے پر متفق ہونے کے بعد امیر المومنین عمر فاروقؓ نے حضرت ابوعبیدہ بن الجراحؓ کے پاس درج ذیل مضمون کا حکم روانہ فرمایا:

"أما بعد: میں اللہ رب العالمین کی حمد و ثنا کرتا ہوں جس کے سوا کوئی معبود نہیں اور اس کے نبی محمد ﷺ پر درود وسلام بھیجتا ہوں، آپ کا مکتوب مجھے موصول ہوا جس میں آپ نے مذکورہ محاذ -قیساریہ- کی جانب لشکر بھیجنے کے سلسلہ میں مجھ سے مشورہ چاہا ہے تبادلہ خیالات کے بعد رسول خدا ﷺ کے عم زاد علی ابن ابی طالبؓ نے پہلے بیت المقدس کی جانب مجاہدین کو روانہ کرنے کا مشورہ دیا ہے آپ اس پر عمل کریں، اللہ تعالی اس کو آپ کے ہاتھوں فتح کرائے گا" (والسلام)۔

ملک شام میں سپہ سالار اسلام کے پاس جب امیر المومنین عمر بن الخطابؓ کا خط پہنچا تو مجاہدین اسلام نے بیت المقدس کی جانب پیش قدمی کی اجازت ملنے کی خوشی میں فرط مسرت سے

نعرۂ تکبیر بلند کیا اور فوراً جانب قدس روانہ ہو گئے سب سے آگے سپہ سالار اعظم حضرت ابوعبیدہ بن الجراحؓ تھے، جب مجاہدین کا لشکر بیت المقدس کے قریب پہنچا تو وہاں کے باشندوں نے رومی کمانڈر ارطبون سے بغاوت کردی، اور ابوعبیدہ بن الجراح سے گذارش کی کہ ہم شہر بیت المقدس کو مسلمانوں کے خلیفہ کے ہاتھوں سپرد کرنا چاہتے ہیں حضرت ابوعبیدہ نے باشندگان بیت المقدس کی اس خواہش وطلب سے امیر المومنین کو بذریعہ مکتوب آگاہ فرمایا، آپ نے دوبارہ کبار صحابہ کی مجلس شوریٰ طلب فرما کر اس مطالبہ سے باخبر کیا کہ اس امت کے امین ابوعبیدہ نے یہ خط لکھا ہے کہ آپ حضرات کیا کہتے ہیں۔ مجلس شوریٰ نے اس درخواست کی تائید کرتے ہوئے خلیفہ دوم کو بیت المقدس وفلسطین کا سفر کرنے کی صلاح دی لہذا امیر المومنین نے فلسطین روانہ ہونے کی تیاری شروع فرمادی جس کے بارے میں خلیفہ دوم کو گہرا تحقیقی علم دو ذرائع سے حاصل ہوا تھا۔

پہلا ذریعہ فلسطین میں تعینات فوج کے سربراہ عمرو بن العاصؓ تھے۔

دوسرا ذریعہ شام (دمشق) میں برسرپیکار مجاہدین اسلام کے کمانڈر ابوعبیدہ بن الجراحؓ تھے۔

اور دونوں حضرات نے امیر المومنین عمر فاروقؓ پر ان شہروں کے سفر کی ضرورت کی اہمیت وافادیت پر زور دیا تھا جن شہروں کو اللہ نے فاروق اعظمؓ کے ذریعہ فتح کرانا مقدر کر رکھا تھا، اور جس وقت امیر المومنین عمر بن الخطابؓ کے سفر فلسطین کی خبر عام ہوئی رومی کمانڈر ارطبون نے بیت المقدس سے بعجلت فرار ہونے میں ہی اپنی عافیت جانی جبکہ وہ پہلے ہی سے بیت المقدس کے باشندوں کے عدم تعاون سے دل برداشتہ تھا، لہذا پسپا ہو کر مصر پہنچا جو اس وقت رومی سلطنت کے ماتحت تھا۔

جس راستہ سے عمر بن الخطابؓ نے تیار کردہ منصوبہ کے مطابق سفر فرمایا اس میں انہوں نے صحابہ کرام تابعین وتبع تابعین (رضی اللہ عنہم) کے لئے بیت المقدس اور اس کے جلیل القدر

مقامات کی حفاظت کے واسطے ایسا نمونہ چھوڑا جوان کی اس راہ میں رہنمائی کرتا ہے کیونکہ انہوں نے اپنے سفر کے تیار کردہ منصوبہ میں ایک جانب مکمل دفاعی تیاری کا التزام فرمایا تو دوسری جانب ہر قسم کے نام ونمود اور خدم وحشم کی نمائش سے اجتناب بھی فرمایا، نہایت سادگی کے ساتھ خلیفۃ المسلمین مدینہ منورہ سے ایلہ کی سمت روانہ ہوئے جو اس وقت موجودہ دور میں فلسطین میں داخل ہونے کا جنوبی راستہ ہے۔

پھر وہاں سے گولان پہاڑ کی بلندیوں سے اتر کر جابیہ کی جانب روانہ ہوئے فلسطین شام کے درمیان دفاعی حکمت عملی سے اہم اس مقام پر انہوں نے دفاعی وحربی اجلاس منعقد فرمایا اور ملک شام میں مصروف جہاد، فوج کے تمام جرنیلوں کو بلایا تا کہ بیت المقدس کے باشندوں کے مطالبہ کے سلسلہ میں اپنے سالاروں سے مشورہ کرلیں اس طرح انہوں نے فلسطین کی فتح کو یقینی بنانے کے لئے بہت ہی مفید وموثر اسلوب اختیار کیا۔

ملک شام میں اسلامی افواج کے کمانڈران چیف ابوعبیدہ بن الجراحؓ نے آکر جابیہ میں امیر المومنین سے ملاقات کی، پھر اجتماعی طور پر تمام سالاروں نے نماز فجر سے فارغ ہوکر امیر المومنین سے ملاقات کی اور فاروق اعظمؓ نے ان کو خطاب فرمایا اس سے فارغ ہوکر کمانڈرانچیف ابوعبیدہؓ سے شام کے علاقوں کی صورت حال پر تبادلہ فرمایا یہ سلسلہ ظہر کی نماز تک جاری رہا، ظہر کی نماز کمال خشوع وخضوع سے ادا کی گئی اسی موقع موجود ایک عینی شاہد نے اس روح پرور ایمان افروز منظر وکیفیت کو اس انداز میں پیش کیا:

حضرت بلال بن رباح حبشیؓ (جو وفات محبوب ﷺ کے بعد مدینہ سے آکر شام میں رہنے لگے تھے) نے اس دن اذان دی، جب بلالؓ نے اپنے خاص لحن وانداز میں اللہ اکبر کہا تمام مصلیوں کے دل کپکپا گئے بدن پر لرزہ طاری ہوگیا، اور جب "أشهد أن لا إله إلا الله وأشهد أن محمداً رسول الله" کہا تو اللہ ورسول کے ذکر کے وقت تمام لوگ بآواز بلند

رو پڑے، ذکر رسول عربی ﷺ کے وقت خود بلال پر یاد محبوب نے سکتہ طاری کر دیا قریب تھا کہ فرط غم سے اذان بھی پوری نہ کر سکیں گے کسی طرح بھرائی و پردرد آواز میں اذان مکمل کی، اذان کے بعد حضرت عمر فاروقؓ نے امامت فرمائی۔

ان دینی روح پرور مظاہر کے دوران وقت بوقت ''جابیہ'' میں بیت المقدس کے سلسلے میں فاروق اعظمؓ کی زیر صدارت اسلامی دفاعی کمیٹی کی جائزہ میٹنگیں بھی ہوتی رہیں اور اس وقت بیت المقدس کی عوام کا ایک نمائندہ وفد امیر المومنین حضرت عمرؓ سے ملاقات کرنے اور شہر مقدس کی چابی ان کے حوالے کرنے کے لئے حاضر ہوا، اس وفد کی تشکیل اور فاروق اعظم کی خدمت میں مختلف طبقوں کے نمائندہ کی آمد اس بات کی واضح دلیل تھی کہ بیت المقدس سے رومیوں کی پسپائی ایک طے شدہ بات تھی جس کو اپنی مرضی سے بیت المقدس کے باشندوں نے سرکش رومی سامراجیوں پر نافذ کیا، اور اس وفد کی آمد اس بات کی پختہ دلیل تھی کہ قدس شریف کے باشندوں نے نئی عربی اسلامی خلافت کے اس ابلتے چشمہ کو پالیا تھا جو ان عربی جڑوں کو غذا فراہم کرے گا اور ان کو بیت المقدس کی سابقہ عظمت و شوکت اور امن و سلامتی کی بازیابی کے مواقع و اسباب مہیا کرے گا اور عوامی وفد نے جس اہم مطالبہ پر اپنی پوری توجہ مبذول کی تھی وہ یہ تھی کہ ان کے شہر میں ان کے ساتھ کسی یہودی کو نہیں رہنے دیا جائے گا جو بیت المقدس کو غصب کرنے کی خاطر کئی بار کوشش کر کے بدنام ہو چکے ہیں اور اس مبارک زمین پر اس کے تقدس کی حفاظت کے پردہ میں برسر اقتدار حکومت کے لئے سنگین مسائل پیدا کر چکے ہیں، یہودیوں کی اس سلسلہ میں سب خطرناک جس کوشش کا مشاہدہ و تجربہ اسلامی فتح سے قبل بیت المقدس کے لوگوں نے کیا تھا، وہ واقعہ ہے جو بیزنطینی ششم شاہ ''ہورڈین ۱۳۵ء'' کے زمانہ میں پیش آیا جب کہ یہودیوں نے شہر مقدس میں بہت ہنگامہ برپا کیا اس یہودی شورش کو ختم کرنے کے لئے رومی شہنشاہ ہورڈین کو بذات خود بیت المقدس آنے پر مجبور ہونا پڑا اس نے آکر بیت المقدس سے تمام یہودیوں کو نکال

باہر کیا، اس کی ناراضگی اس انتہا کو پہنچی کہ اس نے یہودیوں کے رکھے ہوئے نام بیت المقدس کو ختم کر کے اس کا نام "ایلیا" کر دیا تاکہ یہودیوں کے لئے اس مقدس شہر کے اس نام کے استحصال کرنے کی راہ بالکل بند ہو جائے۔

حضرت عمر بن الخطابؓ کی بیت المقدس تشریف آوری کے وقت جب بیت المقدس کے عیسائی باشندوں کا وفد ان سے ملاقات کے لئے حاضر ہوا تب تک اس کا سرکاری نام "ایلیا" ہی تھا اور انہوں نے خلیفہ دوم سے مطالبہ کیا تھا کہ اس مبارک شہر کی حوالگی کے وثیقہ میں اس کا یہی نام "ایلیا" تحریر کیا جائے تاکہ اس سے مکمل طور پر ہمیشہ کے لئے یہودیوں کے وجود سے خالی رہنے کی دلیل بن جائے اور انہوں نے اس بات پر بھی بہت اصرار کیا کہ ان کے ساتھ اس شہر میں کسی یہودی کو نہیں رہنے دیا جائے گا، بیت المقدس کے عیسائی رؤساء وعوام کے اس مطالبہ کو نہ صرف عمر فاروقؓ نے منظور فرمایا بلکہ مسلمانوں کے مقدس مقامات کے ادب واحترام اور حفاظت کا حکم دینے کے ساتھ ساتھ یہی تمام حقوق عیسائیوں کے مذہبی مقامات وآثار ومقدسات بھی دیئے، اس تاریخی دستاویز کی دفعات سے جہاں ایک طرف یہ یقین ہو گیا کہ بیت المقدس میں یہودی نہیں رہ سکتے وہیں اس کی عربی روح اور دین اسلام سے اس مقدس شہر کے ربط وتعلق میں استحکام پیدا ہو گیا۔

فاروقی دستاویز کے جامع وتاریخی متن سے مذکورہ بالا نظریہ کی توثیق ہوتی ہے دستاویز کا متن حسب ذیل ہے:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

یہ وہ امان ہے جو اللہ کے بندے امیر المومنین عمر نے ایلیا کے باشندوں کو دی ہے، یہ امان ان کی جان، ومال، گرجا، صلیب، تندرست وبیمار اور ان کے تمام مذہب والوں کے لئے ہے اس طور پر کہ ان گرجا گھروں میں نہ سکونت کی جائے گی اور نہ ان کی صلیبوں اور ان کے مال میں

کچھ کمی کی جائے گی، دین و مذہب کے بارے میں ان پر نہ کوئی جبر کیا جائے گا نہ ان میں سے کسی کو نقصان پہنچایا جائے گا اور نہ ایلیا میں یہودی رہ پائیں گے، ایلیا والوں پر لازم ہے کہ دوسرے شہر والوں کی طرح جزیہ ادا کریں، اور ایلیا (بیت المقدس) سے تمام رومیوں (یونانیوں) اور چوروں، اچکوں کو نکال باہر کریں، رومیوں میں سے جو بھی شہر سے نکل کر چلا جائے گا جب تک وہ اپنی جائے پناہ پر نہیں پہنچ جاتا اس کی جان و مال پر امن ہے، اور ان میں سے جو ایلیا ہی میں رہنا چاہے اس کو بھی امان ہے البتہ اس کو بھی ایلیا والوں کی طرح جزیہ دینا ہوگا، اور ایلیا کے باشندوں میں سے جو اپنی جان و مال لے کر رومیوں کے ساتھ چلا جانا چاہے اور اپنے گرجا گھروں و صلیبوں کو چھوڑ جائے تو ان کو اور ان کے گرجا گھروں، صلیبوں کو امان ہے یہاں تک کہ وہ اپنے امن کی جگہ پہنچ جائیں۔

اور اس تحریر میں جو دفعات وشقیں ہیں ان پر اللہ کا، اور اس رسول ﷺ اور خلفاء وتمام مسلمانوں کا ذمہ ہے، بشرطیکہ یہ لوگ مقررہ وقت پر جزیہ ادا کرتے رہیں اس پر گواہ کی حیثیت سے حضرت خالد بن ولید، عمرو بن العاص، عبد الرحمٰن بن عوف اور معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہم نے دستخط کیے، یہ دستاویز ۱۵ھ میں تحریر کی گئی اس تاریخی دستاویز کے متن سے جن دو مضبوط حقیقتوں کا علم ہوتا ہے وہ درج ذیل ہیں:

۱- پہلی حقیقت یہ کہ ملک شام پر اسلامی لشکر کشی سے پہلے بیت المقدس میں یہودیوں کا کوئی وجود نہیں تھا، اور یہ کہ بیت المقدس کے عیسائی باشندے اسلام کی آمد سے قبل ہی ان انتہا پسند منحرف یہودیوں کی سازشی چالوں کا نشانہ بنے ہوئے تھے جن کا جھوٹا دعوی تھا کہ اس متبرک شہر میں ان کے حقوق ہیں نیز جب اسلام دائرہ سرزمین فلسطین تک دراز ہوا تو اس نے بیت المقدس میں یہودیوں کے عدم وجود کی تاریخی حقیقت کو مضبوط کیا اور خاص کر اس امر پر زور دیا کہ بیت المقدس کو پوری طرح یہودیوں کے وجود سے پاک رکھا جائے۔

۲- دوسری حقیقت یہ کہ بیت المقدس میں موجود عیسائیوں کے مقدس مقامات اور مذہبی آثار کے پاس ولحاظ کا وہی جذبہ مسلمانوں میں پایا جاتا ہے جیسا کہ خود عیسائیوں کے دلوں میں ہے اور یہ کہ مسلمانوں کو عملی طور پر عیسائیوں سے قربت ومحبت کا احساس ہوتا ہے اور ان کو مقدس دینی مقامات کی رعایت وحفاظت کا اس شہر میں اہل پاتے ہیں۔

بہر حال بیت المقدس کے معززین اور سرداروں کا نمائندہ وفد جابیہ سے اس تاریخی دستاویز کو لے کر واپس ہوا اور امیر المومنین عمر بن الخطابؓ کے شہر میں شاندار پر جوش استقبال کی تیاریوں میں لگ گیا ادھر فاروق اعظم بھی بیت المقدس کی زیارت کی تیاری فرما رہے تھے جس سے معاصر مسلمانوں کے لئے اور امتداد زمانہ کے ساتھ ہر دور کے عرب وغیر عرب مسلمان نسلو ں کے لئے اسلام میں بیت المقدس کی ایمانی حیثیت کا عملی نمونہ پیش فرمائیں اور اس شہر کے دینی آثار ومقدسات کے تئیں مسلمانوں کی تعظیم وتکریم کی عملی تطبیق کا مظاہرہ فرمائیں۔

امیر المومنین عمر فاروقؓ نے پہلا عملی قدم یہ اٹھایا کہ بیت المقدس فلسطین کے دوسرے حصوں کو غیر مسلم شاگردوں کے حملوں سے محفوظ کرنے کا نظم فرمایا، ایلیا میں علقمہ بن مجزرؓ کی قیادت میں حفاظتی دستہ تشکیل دیا، دوسرا حفاظتی دستہ مصلہ میں علقمہ بن حکیمؓ کی سربراہی میں قائم فرمایا یہاں تک کہ جابیہ میں عمرو بن العاصؓ اور شرحبیل بن حسنہؓ جیسے دیگر جرنیل اس سے جا ملے جو کہ فلسطین کے جہاد میں سرگرم تھے، بیت المقدس کے معاہدہ کے بعد جابیہ سے حضرت عمرؓ گولان پہاڑی کے راستہ بیت المقدس کے لئے روانہ ہوئے، سپہ سالاران اسلام اور مجاہدین کی ہم رکابی میں فاروقی جاہ وجلال اور اسلامی وقار کا مظہر، یہ قافلہ ہر قسم کی ظاہری نمائش اور کبر وغرور کی آمیزش سے پاک تھا۔

ایک عینی شاہد کا بیان ہے:

عمر فاروقؓ اپنے پیوند لگے سادہ کپڑے میں ملبوس اونٹنی پر سوار بیت المقدس کی طرف

بڑھے اسلامی لشکر کے کمانڈران چیف ابوعبیدہ بن الجراحؓ و دیگر سالاروں نے والہانہ استقبال کیا اور عرض کیا امیر المومنین اگر آپ قیمتی پوشاک زیب تن فرمالیں تو اس سے عیسائیوں پر آپ کا رعب قائم ہوگا وہ شہنشاہوں کو شاندار پوشاکوں میں اور عمدہ سواریوں پر دیکھنے کے عادی ہیں خطرہ ہے کہ اس سادہ پیوند لگے لباس میں آپ کی قدر و منزلت نہ پہچان سکیں گے ہم ان کے پر تعیش مزاج کو پہچان چکے ہیں، جب سرداروں نے بہت اصرار کیا تو اپنا پیوند لگا لباس اتار دیا زبیر بن العوامؓ نے مصری کپڑے سے تیار سفید پوشاک پیش کی اس کو زیب تن کیا، ابوعبیدہ بن الجراحؓ نے کتان سے تیار رومال پیش کیا جس کو دوش مبارک پر ڈال لیا اور سواری کے لئے ترکی النسل دراز جسم خوبصورت گھوڑا حاضر کیا گیا اس پر جب سوار ہوئے تو ایل کرنے لگا فرمایا کمبخت یہ شوخی کی چال کہاں سے، لیکن فوراً اتر گئے اور گھوڑے کے منہ پر ضرب لگا کر بھگا دیا (اس سے پہلے اور اس کے بعد کبھی ترکی گھوڑے پر نہیں سوار ہوئے) اپنا نیا سفید لباس بھی اتار دیا فرمایا اس میں کبر محسوس ہوتا ہے میرا وہی موٹا لباس لاؤ پسینہ خوب جذب کرتا ہے اس کے بعد بآواز بلند حاضرین سے فرمایا: لوگو! میری لغزش کو معاف کرنا قیامت کے دن اللہ تمہاری خطاؤں کو معاف کرے گا، تمہارے ان ملبوسات میں کبر و غرور محسوس کرنے لگا تھا قریب تھا کہ ہلاک ہو جاتا اللہ نے بچا لیا پھر اپنا پرانا وہی لباس پہنا جو پہلے جسم پر تھا اور اپنی اونٹنی پر سوار ہوئے اور چل پڑے، مسلمانوں نے نعرۂ تکبیر سے فضا کو بھر دیا۔

امیر المومنین عمر بن الخطابؓ کا کارواں مکمل سادگی و متانت اور ایمانی وقار و فاروقی جلال کے ساتھ بروز پنجشنبہ ۳ مئی ۶۳۶ء کو بیت المقدس میں داخل ہوا، شہر کے رئیسوں، سرداروں اور مذہبی پیشواؤں نے بطریق اعظم ''صفرنیوس'' کی قیادت میں خلیفۃ المسلمین فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کا پرجوش و پرتپاک استقبال کیا عیسائی عوام ان کی ایک جھلک دیکھنے کے لئے ٹوٹ پڑی۔

امیر المومنین نے اپنی زیارت کا آغاز متبرک ومقدس مقامات کے مشاہدے اور بیت المقدس کے سب سے بڑے گرجا گھر کے نظارے سے کیا، لاٹ پادری "صفرنیوس" اپنے قدیم مذہبی آثار ومقامات کی تفصیل ورروداد خلیفہ کے گوش گذار کی، اور زیارت ومشاہدہ کے دوران ان آثار پر عیسائیوں کے حقوق کو یقینی بنانے اور ہر قسم کے شکوک وشبہات پیدا کرنے والی کارروائیوں سے اجتناب کرنے کی ترغیب، فاروق اعظم کو دیتا رہا، اسی اثنا میں نماز کا وقت ہوگیا حضرت عمرؓ نے پادری صفرنیوس سے نماز پڑھنے کی جگہ کے بارے میں پوچھا کہ کہاں ادا کروں؟ اس نے کہا امیر المومنین اسی کنیسہ میں ادا فرمالیں (اس وقت عمر فاروق کنیسۃ القیامۃ میں تھے) مگر حضرت عمر گرجا گھر سے نکل کر اس کے قریب خالی جگہ پر نماز ادا کی پھر پادری سے کہا: اگر میں تمہاری اجازت کے باوجود کنیسۃ القیامۃ میں نماز پڑھ لیتا تو مسلمان اس کو اپنی مسجد بنالیتے اس لئے میں نے پرہیز کیا۔

حضرت عمرؓ کو بیت المقدس کی زیارت کے وقت مسجد اقصی کے ان پاکیزہ مقامات وآثار کے دیدار کا بہت شوق تھا جن کے بارے میں شب اسراء ومعراج کے سفر سے واپسی کے بعد رسول اللہ ﷺ نے بہت وضاحت سے بیان فرمایا تھا، مسجد اقصی کے اصل مکان کی تلاش میں ان کئی مقامات پر قافلہ رکا جن کے بارے میں خود صفرنیوس پادری کو مسجد اقصی ہونے کا شبہ ہوا لیکن عمر بن الخطابؓ کے ذہن میں رسول اللہ ﷺ کا بیان کردہ نقشہ پوری طرح محفوظ تھا، انہوں نے جب ان جگہوں کو ان محفوظ اوصاف کے برعکس پایا تو پادری کی تردید فرمائی، بات یہ تھی کہ رومیوں (یونانیوں) کے اقتدار کے آخری سالوں میں مسجد اقصی اور صخرہ مقدسہ بے توجہی کا شکار ہوکر رہ گیا تھا اور اصل جگہ کو کوڑا کرکٹ نے چھپا دیا تھا، جبکہ امیر المومنین کا کارواں اس مقدس مقام کے قریب پہنچا تو حضرت عمرؓ نے خود ہی مسجد وصخرہ کے آثار تلاش کرنے شروع کئے اور توثیق فرمائی کہ یہی صخرہ کی جگہ ہے- اس وقت کمال شوق میں -جیسا کہ ساتھ میں موجود ایک صحابی

بتاتے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے ان کوڑا کباڑ کو اپنی آستینوں میں بھرتے تھے اور مشرقی جانب واقع ''قدرون'' وادی نار میں اس کو ڈالتے تھے اور ہم سب لوگ صفائی مہم میں لگ گئے یہاں تک کہ جگہ نمایاں ہوگئی اور تمام مقدس آثار پاک وصاف ہو گئے اور صخرہ مبارکہ واضح طور پر نظر آنے لگا۔

امیر المومنین حضرت عمرؓ نے اس جگہ پر ایک مسجد بنانے کا حکم دیا اور صخرہ (وہ مقدس پتھر جو انبیاء سابقین کی یادگار ہے) کو مسجد کے پیچھے رکھنے کی تاکید فرمائی تاکہ اس اسلامی مسجد کے بارے میں شبہات وغیرہ نہ پیدا کیے جائیں پھر اپنے اس عمل کی توجیہ فرمائی کہ رسول اللہ ﷺ نے ہماری مسجدوں کا قبلہ ہمارے آگے رکھا ہے اور ہم کو بیت اللہ کعبہ شریف کی طرف رخ کرنے کا حکم دیا گیا ہے نہ کہ صخرہ کی طرف۔

موذن کو اقامت کا حکم دیکر خلیفہ ثانی حضرت عمرؓ نے حاضرین کو نماز پڑھائی اور پہلی رکعت میں سورہ صٓ کی قرأت کی اور سجدہ کیا، دوسری رکعت میں سورہ الاسراء کی قرأت فرمائی، ان آیات بینات سے جو پیغام امت مسلمہ کو مل رہا ہے وہ یہ ہے کہ بیت المقدس کا اسلام سے بہت وسیع وعمیق دینی تعلق ہے، حضرت عمرؓ نے دس دن بیت المقدس میں قیام فرمایا اور اسلام وعربیت کے زیر اثر بیت المقدس سے نئے عہد و تعلق کو مضبوط کرنے کے متعدد اقدامات کئے اور سب سے اہم کارنامہ یہ ہے کہ بیت المقدس کے لوگوں کو وہ تاریخی دستاویز عطا فرمائی جو ان کو اپنے شہر کی حفاظت وصیانت کے حق کو طاقت فراہم کرتی ہے اور مرور ایام وامتداد زمانہ کے ساتھ بیت المقدس کو خالص اسلامی عربی شہر ہونے کا ثبوت واعزاز عطا کرتی ہے جیسا کہ وہ اپنے آباء کا قدیم عربوں کے دور سے مدینۃ السلام ہے۔

☆ مجلۃ الوعی الاسلامی کے شمارہ ۱۰۰ ربیع الآخر ۱۳۹۳ھ/مئی ۱۹۷۳ء میں یہ مضمون شائع ہوا تھا۔

فلسطین میں پیش آنے والے اہم واقعات کی فہرست

(ترتیب زمانی کے لحاظ سے)

''استاذ مصطفیٰ دباغ کی کتاب ''بلادنا فلسطین'' سے ماخوذ''

اول: قبل از تاریخ واقعات

(۱) اول اول فلسطین میں سکونت اختیار کرنے والے شکار پیشہ افراد تھے۔

(۲) ۲۰۰,۰۰۰ ق م فلسطینیوں نے آگ کو جانا۔

(۳) ۱۵۰,۰۰ ق م فلسطینیوں نے کتوں اور دوسرے حیوانات کو پالنا شروع کیا اور ان کو سدھا کر شکار اور گلہ بانی کے کاموں میں استعمال کرنے لگے اور آخری دور میں گیہوں وغیرہ کی کاشت شروع کی اور شہر بسانے کی ابتداء کی۔

(۴) ۱۲۰۰=۶۰۰۰ ق م جزیرہ نمائے عرب کے بعض باشندے فلسطین آئے اور وہیں آباد ہو گئے۔

(۵) ۶۰۰۰ ق م فلسطینیوں نے مٹی کا برتن بنانے کی صنعت ایجاد کی۔

(۶) ۴۰۰۰ ق م فلسطینی باشندوں نے تانبا اور پیتل کا استعمال کیا۔

دوم: مدون تاریخ کے بعد سے فتح اسلامی تک واقعات

(۷) ۲۵۰۰ق م — فلسطین میں کنعانی عربی اموریہ قبائل نے بودوباش اختیار کی۔

(۸) ۱۸۰۵ق م — حضرت ابراہیم علیہ السلام نے عراق سے ہجرت کر کے فلسطین میں سکونت اختیار کی۔

(۹) ۱۶۷۵-۱۵۸۰ق م — مصر کے ہکسوس نے فلسطین پر حکومت کی۔

(۱۰) ۱۶۵۶ق م — ابراہیمؑ کی اولاد واحفاد فلسطین سے مصر منتقل ہوئی۔

(۱۱) ۱۵۷۰ق م — فلسطینی شہر شاروحین کو مصری فوجوں نے فتح کیا۔

(۱۲) ۱۵۰۰ق م — آرامی قبائل نے شام کے شمال اور جنوب مشرقی علاقوں میں اقامت کی۔

(۱۳) ۱۴۷۹ق م — مجدو نامی شہر پر مصریوں نے قبضہ کر کے اس میں مصری قانون کے مطابق حکومت نافذ کی۔

(۱۴) ۱۳۷۵-۱۳۵۸ق م — فلسطین خابری بدوؤں کی لوٹ مار کا نشانہ بنا۔

(۱۵) ۱۱۸۶ق م — یہودیوں نے فلسطین پر حملہ آور ہو کر اریحا شہر پر قبضہ کر لیا۔

(۱۶) ۱۱۸۴ق م — کریٹ سے آنے والے فلسطینی باشندوں نے یہاں سکونت اختیار کی اور اپنے ساتھ لوہے کی صنعت کا فن لائے۔

(۱۷) ۱۱۵۰ق م — فلسطین میں مصریوں کا اثر ورسوخ ختم ہو گیا۔

(۱۸) ۱۰۲۰ق م — طالوت (شاول) فلسطین میں یہودیوں کے بادشاہ بنائے گئے۔

(۱۹) ۹۲۳ق م — حضرت سلیمان بن داؤد علیہما السلام کا دور حکومت ختم ہوا اور یہودی مملکت منقسم ہوئی۔

(۲۰) ۸۵۳ق م آشوریوں اور ملک شام کی حکومتوں کے درمیان قرقر کا معرکہ پیش آیا۔

(۲۱) ۷۳۲ق م فلسطین آشوری حکومت کے تحت آ گیا۔

(۲۲) ۷۲۲ق م یہودی حکومت کا بالکل خاتمہ ہو گیا۔

(۲۳) ۶۰۸ق م فلسطین پر مصریوں کا اقتدار پھر سے بحال ہو گیا۔

(۲۴) ۶۰۵ق م شام کا علاقہ کلدانیوں کے زیر نگیں ہو گیا۔

(۲۵) ۵۸۶ق م یہودی حکومت کا سقوط اور بیت المقدس کی تاراجی کا واقعہ پیش آیا۔

(۲۶) ۵۳۸ق م ایرانیوں نے فلسطین پر حملہ کر کے قبضہ کر لیا۔

(۲۷) ۳۳۲ق م اسکندر مقدونی نے فلسطین کو فتح کیا۔

(۲۸) ۳۰۱ق م بطالسہ کا عہد حکومت شروع ہوا۔

(۲۹) ۱۹۸ق م مکابیوں نے بغاوت کر دی۔

(۳۰) ۶۳ق م رومی (یونانی) فلسطین میں داخل ہوئے۔

(۳۱) ۴۰ق م ایرانیوں نے فلسطین پر مکمل قبضہ کر لیا۔

(۳۲) ۳۸ق م فلسطین پر دوبارہ رومی غالب آ گئے۔

(۳۳) ۳۷ق م مکابیوں کا خاتمہ ہوا اور فلسطین پر ہرادسہ کی حکومت شروع ہوئی۔

(۳۴) ۴ق م ہیروڈس اول کا انتقال ہو گیا اور حضرت عیسیٰ کی ولادت ہوئی۔

(۳۵) ۷۰ عیسوی طیطس رومی نے بیت المقدس کو تاراج و ویران کیا۔

(۳۶) ۱۰۰ء ہرادسہ کا عہد حکومت ختم ہو گیا۔

(۳۷) ۱۳۵ء رومیوں کے خلاف یہودی برکوکب Simon Bar-Kokhba کی برپا کردہ بغاوت سرد پڑ گئی اور یہودی دنیا کے مختلف شہروں و علاقوں میں بکھر گئے۔

(۳۸) ۱۹۵ء رومی امپائر دو حصوں میں بٹ گیا اور فلسطین، مشرقی رومی امپائر کے تحت آ گیا۔

(۳۹) ۲۶۷ء تدمر کی ملکہ زنوبیا نے فلسطین پر تسلط قائم کر لیا۔

(۴۰) ۲۷۲ء تدمر کی سلطنت کا زوال ہوا اور رومی اقتدار پھر سے اس خطہ میں بحال ہو گیا۔

(۴۱) ۶۱۴ء ایرانیوں نے فلسطین پر قبضہ کر لیا۔

(۴۲) ۶۲۷ء فلسطین پر پھر رومیوں نے اقتدار قائم کر لیا۔

(۴۳) ۶۳۶ء فلسطین پر عہد فاروقی میں عرب مسلمانوں کی حکومت قائم ہو گئی۔

دو مسجدیں: مسجد اقصیٰ اور صخرہ شریف

شیخ طہٰ ولی

۸ ر جمادی الاخری ۱۳۸۹ھ موافق ۲۱ ر اگست ۱۹۶۹ء کو جب یہودی صہیونی درندوں نے مسجد اقصیٰ کے منبر و محراب کو نذر آتش کیا تھا تو اس اسرائیلی دہشت گردی کے معاً بعد مشہور مورخ شیخ طہٰ ولی سے اس اسلامی عربی یادگار کے بارے میں ایک ایسے مختصر تاریخی مضمون لکھنے کی درخواست کی گئی جس میں خاص کر آتش زدگی کا شکار ہونے والے منبر شریف کی تاریخی حیثیت کو نمایاں کیا جائے، شیخ طہٰ ولی نے اس درخواست پر ذیل کا اہم مقالہ تحریر فرمایا، قارئین سے گذارش ہے کہ اس کا مطالعہ ضرور فرمائیں۔

بیت المقدس اسلام میں دینی فنون کا خوبصورت میوزیم ہے:

اسلامی فتوحات کے آغاز ہی سے بیت المقدس نے مسلمانوں کی توجہات اپنی طرف مبذول کرالی تھی، اپنے ان خاص مقام و مرتبہ کے پیش نظر جس کی طرف قرآن مجید کی متعدد آیتوں میں اشارہ کیا گیا ہے اور اکثر احادیث نبویہ و اقوال ماثورہ سے اس کی توثیق و تائید بھی ہوتی ہے۔

امتداد زمانہ اور مرور ایام کے باوجود مسلمانوں کے دلوں میں بیت المقدس کا ادب واحترام اور تعظیم و تکریم اسی شان سے جاگزیں ہے، اس کی قدر و قیمت میں کسی قسم کی کمی اور بیت المقدس سے جذباتی و روحانی تعلق میں کسی طرح سے ڈھیلا پن اور سستی نہیں پیدا ہوسکی ہے، اسلامی معاشرہ نے مختلف زمانوں میں بیت المقدس سے اپنے ایمانی و روحانی رشتہ اور اس کے

ادب واحترام کو ظاہر کرنے کے لئے ہر ممکن اور دستیاب وسائل وذرائع کا استعمال کیا ہے خواہ تحریروں اور مضامین کے ذریعہ یا بیت المقدس کی تعمیر وترقی میں عملی طور پر حصہ لے کر اور اسلامی دینی تصنیفات اور تاریخی تالیفات کے صفحات ان شواہد ودلائل سے معمور ہیں جو تمام اہم اسلامی شخصیات کے بیت المقدس سے والہانہ تعلق اور اس کی زیارت کے شوق فراواں نیز بیت المقدس میں قیام کرنے کی آرزو کے بارے میں گواہی دیتے ہیں کہ ہر دور میں بزرگان دین، اکابر ملت، علماء اسلام اور صوفیاء وصلحاء نے اس مقدس شہر کی تعریف وتوصیف میں کتنے بلند کلمات ادا کئے ہیں، اور وہاں سکونت اختیار کرنے کو ترجیح دی ہے، آج اس دور میں بھی محققین علماء اور اسلامی آثار وفنون کے ماہرین بیت المقدس کی دینی، روحانی اور تمدنی حیثیت پر ہر محفل میں رطب اللسان نظر آتے ہیں اور اس کی بازیافت کے فکر مند ہیں۔

یہ بات کامل وثوق سے کہی جاسکتی ہے کہ بیت المقدس میں اسلامی وراثت وسرمایہ کے موضوع پر جس قدر تحقیقی کتابیں لکھی گئی ہیں، اپنی اہمیت ونوعیت اور کمیت کے لحاظ سے دنیا کے کسی دوسرے شہر کے بارے میں لکھی گئی کتابیں اس کا مقابلہ نہیں کرسکتیں خواہ قدیم تصنیفات ہوں یا جدید۔

اور آج بیت المقدس جیسے متبرک قدیم شہر میں تمام اسلامی آثار ومقدسات یہودی حکومت کے ماتحت ہیں ان اسلامی آثار کو دیکھ کر یہودی حکمرانوں، اور ذمہ داروں کے سینے کینہ سے کھول رہے ہیں اور ان کو مٹانے کے لئے طرح طرح کے بہانے تراش رہے ہیں اور ایسے وقت میں جب بیت المقدس کا سیاسی ودفاعی ماحول وفضا مسلمانوں پر تنگ ہے ان کو دوسرے درجہ کا شہری بنا کر تمام اختیارات سلب کر لیئے گئے ہیں، ہم نے مناسب سمجھا کہ بذات خود فن تعمیر، اور اسلامی نقش ونگار اور روحانی قدروں، تمدنی جلووں سے مالا مال ان اسلامی آثار اور یادگاروں کو شمار کریں جن کو مسلمان خلفاء وسلاطین، امراء اور روساء اور سر برآوردہ شخصیات نے

بیت المقدس اور فلسطین میں (اسلام کے آغاز ہی میں آزادی کی روشنی کے پھیلنے کے دور سے لیکر) مختلف ادوار میں قائم کیا ہے، یہاں تک کہ یہودی دراندازی نے ان آثار و معالم کی چمک دمک کو ماند کرنا شروع کر دیا ہے خاص کر جون ۱۹۶۷ء کی جنگ کے سانحہ عظمی کے بعد سے۔

فصل اول:

مسجد صخرہ:

اموی خلیفہ عبد الملک بن مروان نے مشہور تابعی رجاء بن حیوہ اور یزید بن سلام کی نگرانی میں مسجد صخرہ کو تعمیر کرایا اور چھ سال (۶۶ھ تا ۷۲ھ موافق ۶۸۵ء تا ۶۹۱ء) میں پایہ تکمیل کو پہنچی۔

☆ خلیفہ ولید بن عبد الملک نے صخرہ شریف کے قبہ سے تمام سونا نکلوا کر اس کو دینار میں ڈھلوالیا پھر مسجد کی ترمیم و تزئین میں ان سکوں کو خرچ کیا۔

☆ ۲۱۶ھ (۸۳۱ء) میں عباسی خلیفہ مامون الرشید نے اپنی بیت المقدس کی زیارت کے موقع پر مسجد صخرہ کی دوسری مرتبہ ترمیم و تزئین کا حکم دیا۔

☆ سنہ ۳۰۱ھ (۹۱۳ء) میں خلیفہ مقتدر باللہ عباسی کی والدہ نے قبۃ الصخرہ کے دروازوں کو صنوبر کی لکڑی سے بنانے کا حکم دیا۔

☆ ۴۱۳ھ (۱۰۲۲ء) مصر کے فاطمی خلیفہ ملک ظاہر لاعزاز دین اللہ نے قبہ شریف کی از سر نو ترمیم کرائی اور مسجد کی چہار دیواری کے بعض حصوں کو درست کرایا جو اس کے والد الحاکم بامر اللہ فاطمی کی حکومت کے زمانہ میں چیخ گئے تھے یا منہدم ہو گئے تھے۔

☆ ۴۹۳ھ (۱۰۹۹ء) میں صلیب پرست عیسائیوں نے مسجد صخرہ کو گرجا گھر بنا دیا اور صخرہ شریف کے اوپر ہیکل سید عظیم نام سے قربان گاہ بنادی۔

☆ ۵۸۶ھ (۱۱۹۰ء) سلطان صلاح الدین ایوبیؒ بیت المقدس فتح کرنے کے بعد مسجد صخرہ سے کلیسا کے تمام آثار وعلامات کو ختم کر دیا، قربان گاہ ہٹوایا اور تصویر ومجسموں کو مٹایا اور قبہ شریف کی تزئین کاری کرائی۔

☆ سلطان صلاح الدین ایوبیؒ کے بعد ان کے جانشیں ایوبی سلاطین نے مسجد صخرہ پر بھر پور توجہات دیں، سلطان مرحوم کے بھائی ملک عادل پھر ملک مظفر، پھر ملک افضل وغیرہم نے اپنے اپنے عہد میں مسجد صخرہ کی دیکھ بھال اور تزئین کاری میں کوئی کمی نہیں آنے دی اور مسجد کو فن کتابت کے معیاری نمونوں اور نقش ونگار کے خوبصورت فن پاروں سے آراستہ کیا۔

☆ ۶۶۹ھ (۱۱۷۰ء) میں سلطان رکن الدین بیبرس نے مسجد صخرہ کی تعمیر پر توجہ دی اور صخرہ شریف کے قبہ کی تجدید کرائی اس کے اوپری حصہ میں سنگ مرمر لگوایا۔

☆ ۶۹۴ھ (۱۲۹۴ء) میں مصر کے مملوک حکمراں الملک العادل زین الدین کتبغا منصوری نے صخرہ کے قبہ شریفہ کی دوبارہ تجدید ومرمت کرائی۔

☆ ۷۱۸ھ (۱۳۱۸ء) ملک الظاہر سیف الدین برقوق نے بیت المقدس میں اپنے نائب بہادر ظاہری کو مسجد صخرہ کے موذنوں کے چبوترہ کی تجدید کا حکم دیا اور مسجد پر قیساریہ (قیصر روم کے نام پر آباد ایک شہر) وقف کیا جو آج خان السلطان کے نام سے آباد ایک مشہور ہے۔

☆ ۸۳۶ھ (۱۴۳۲ء) میں جمال الدین یوسف نے جاگیر وقف کی اور اس کی پیداوار کا ایک حصہ قبۃ الصخرہ کی دیکھ بھال کے لیے مخصوص کیا اور یہ کام ملک اشرف برسبائی کی حکومت کے دوران ہوا۔

☆ ۸۵۲ھ (۱۴۴۸ء) میں الملک الظاہر چقماق کے زمانہ میں بعض امیروں کے لڑکے

مسجد صخرہ کے کبوتروں کا شکار کرنے کی غرض سے داخل ہوئے اور اپنی مشعلوں اور شمعوں سے مسجد صخرہ کے ایک حصہ کو جلا دیا، اس وقت قاضی شمس الدین حموی مسجد کے نگران تھے انہوں نے آگ بجھائی اور قبہ صخرہ کا جو حصہ جل گیا تھا اس کی اصلاح کرائی اس کارنامہ پر سلطان چقماق نے قاضی شمس الدین حموی کو پچیس سوسونے کے دینار انعام میں عطا کئے نگران مسجد نے اس انعام سے سیسہ (رانگا) خرید کر گنبد کی چھت کو بھروادیا جس کی وجہ سے وہ پہلے سے زیادہ مستحکم اور خوبصورت ہو گیا۔

☆ ۸۷۳ھ (۱۴۶۷ء) میں ملک اشرف قایتبادری المحمودی نے قبہ صخرہ کی مغربی جانب کے داخلی دروازوں کو پیتل کی پلیٹوں سے مزین و مستحکم کرنے کا حکم دیا۔

☆ ۹۴۵ھ (۱۵۴۲ء) میں سلطنت عثمانیہ کے خلیفہ سلیمان بن سلیم اول نے مسجد صخرہ کے شمالی دروازہ کو نئے سرے سے بنوایا اور اس گیٹ میں سونے سے مزین شیشوں کی سولہ کھڑکیاں اور اسی طرح پیتل کے تین دروازے لگوائے۔

☆ ۱۰۲۰ھ (۱۶۱۱ء) میں عثمانی خلیفہ سلطان احمد بن محمد خان نے مسجد صخرہ کے اندرونی حصہ میں دو عظیم الشان قندیلیں لگوائیں جن کی زنجیریں خالص سونے کی تھیں، ان قندیلوں پر اللہ، محمد، ابوبکر، عمر، عثمان، علی، الحسن، الحسین، لکھا تھا اور ان کے نیچے اپنا نام لکھوایا تھا۔

☆ بیت المقدس کے کمشنر حاجی مصطفیٰ پاشا نے ۱۱۱۷ھ/۱۷۰۵ء میں اپنے نائب حسین آغا کے ذریعہ مسجد صخرہ میں بعض مرمت کروائی تھیں۔

☆ ۱۲۳۳ھ (۱۸۱۷ء) سلطان محمود نے مسجد شریف میں سنگ مرمر لگے فرش کے ایک حصہ کی تجدید کروائی۔

☆ ۱۲۷۰ھ (۱۸۵۳ء) میں سلطان عبدالمجید اول نے مسجد صخرہ میں مرمت کا حکم دیا گنبد بنانے میں ماہر تعمیر قرابت نامی ایک ارمنی انجینئر نے اس ترمیمی پروجیکٹ کی نگرانی

کی، سلطان عبدالمجید کے عہد خلافت میں مسجد کے کچھ نقوش کی اصلاح کی گئی اور اس کے اندرونی حصہ میں کچھ سجاوٹوں کا اضافہ کیا گیا۔

☆ ۱۲۸۸ھ (۱۸۷۴ء) میں سلطان عبدالعزیز نے اپنے عہد میں مسجد کی ہشت گوشہ لکڑی کی چھت کا بڑا حصہ نئے سرے سے بنوایا۔

☆ ۱۲۹۲ھ (۱۸۷۸ء) میں سلطان عبدالحمید نے مغربی گیٹ کی عمارت کی تجدید کروائی اور مسجد میں بیش قیمت ایرانی قالین بچھوائے جو آج تک موجود ہیں، انہوں نے گنبد کے پورے دائرہ میں سورہ یسین کی کتابت کروائی کتابت کی اس اہم ذمہ داری کو مشہور خطاط محمد شفیق نے پورا کیا جو خط ثلث میں ۸۵ سینٹی میٹر چوڑے کارنس پر ہے ہر حرف کا عرض ۳ سینٹی میٹر ہے۔

☆ ۱۳۵۷ھ (۱۹۳۸ء) میں مفتی اعظم فلسطین سید محمد امین الحسینیؒ نے مسجد صخرہ کے ان حصوں کی جو امتداد زمانہ سے بوسیدہ اور خراب ہو گئے تھے شاہ فاروق کے زمانہ میں مصری وزارت اوقاف کے تعاون سے مرمت کروائی، شاہ فاروق نے اس کے لئے مشہور انجینئر محمود احمد پاشا کو بھیجا تھا، تجدید و مرمت کا کام مسجد کے پرنالوں اور سیسہ کی پلیٹوں کے جوڑنے والی جگہوں پر ہوا تھا جو اکھڑنے لگی تھیں اور مفتی اعظم ہی کے زمانہ میں سپریم اسلامی کونسل نے مسجد کے اندرونی حصہ کی ان بیس کھڑکیوں کی مرمت کروائی جو رنگین شیشوں سے آراستہ مصالحوں سے مزین تھیں، نیز گنبد شریف میں لگے سنگ مرمر کو ہر طرف سے مضبوطی کے ساتھ جمایا گیا۔

☆ اردن کے سابق فرمانروا شاہ حسین بن طلال ہاشمی نے لجنۃ اعمار المسجد الاقصی المبارک والصخرۃ المشرفۃ نام سے ان دونوں مسجدوں کی تعمیر و ترقی کے لئے ایک کمیٹی تشکیل دی تھی جس کے ممبران حسب ذیل لوگ تھے:

۱- شیخ محمد الشنقیطی قاضی قضاۃ الاردن صدر کمیٹی

۲- شیخ عبداللہ غوشہ رئیس الھیئۃ العلمیۃ الاسلامیۃ رکن

۳- حسن الکاتب بیت المقدس و مقامات مقدسہ کے کمشنر اور اردن میں اوقاف
کے ڈائریکٹر جنرل رکن

۴- ماہر تعمیر انجینئر حسن شافعی رکن

۵- ماہر تعمیر انجینئر صالح احمد الشوربی رکن

۶- ماہر تعمیر انجینئر عبدالمنعم عبدالوہاب رکن

مسجد کی تعمیر و تجدید کا ٹھیکہ سعودی عرب کی مشہور بن لادن کمپنی کو دیا گیا، مذکورہ بالا تعمیری کمیٹی نے انجینئروں کی صلاح و مشورے سے مسجد میں مندرجہ ذیل کام کروائے:

(۱) گنبد صخرہ کے اندرونی حصہ میں نئی لکڑی لگوا کر اس کو مضبوط کیا گیا اور سیسہ کی قدیم پلیٹوں کو سونا چڑھی المونیم کی جدید پلیٹوں سے بدل دیا گیا۔

(۲) پیتل کے پرانے ہلال کی جگہ المونیم سے تیار شدہ نیا ہلال لگوایا گیا اور اس کے اوپر پلاٹینم سے بنا آسمانی بجلی کو بے اثر کرنے والا آلہ لگایا گیا۔

(۳) مسجد کی دیواروں کی بنیاد کو باہر سے لوہا ملی کنکریٹ کے ذریعہ ٹھوس اور مضبوط کیا گیا اور اس کے اندر کے پایوں اور ستونوں کو بھی مستحکم کیا گیا، ان تین ستونوں کو ہٹا دیا گیا جو مرور زمانہ سے متاثر ہو کر بوسیدہ ہو چکے تھے اور ان کی جگہ تین نئے ستون لگائے گئے دو ستون صخرہ مشرفہ اگلے مشرقی حصہ میں اور تیسرا شمالی سمت میں ہے۔

اس لمبے اور بڑے پروجیکٹ کا پورا صرفہ بعض عرب اور مسلم حکمرانوں اور دوسرے مالدار افراد اور عام مسلمانوں نے برداشت کیا تھا۔

☆ یہ مقالہ الوعی الاسلامی کے شمارہ ۵۷ رنومبر ۱۹۶۹ء میں شائع ہوا تھا۔

امریکی کانگریس کے سامنے بیت المقدس میں مسلمانوں کے حق کا دفاع

ڈاکٹر محمد عبدالرووف

تمہیدی باتیں:

امریکی کانگریس میں مشرق وسطی کے امور سے متعلق وزارت خارجہ کی ذیلی کمیٹی نے بیت المقدس کے مسائل اور اس کے مستقبل کے موضوع پر بین المذاہب مذاکرات کی غرض سے ۲۸ ر جولائی ۱۹۷۱ء کو ایک مخصوص میٹنگ رکھی تھی جس میں یہودیوں، عیسائیوں اور مسلمانوں کے اہم نمائندوں کو اس موضوع پر اپنا نقطہ نظر رکھنے کے لئے مدعو کیا گیا تھا۔

یہودی فرقہ کی جانب سے اپنا نقطہ نظر پیش کرنے کے لئے امریکا میں اثر ورسوخ رکھنے والی امریکی یہودی کونسل کے دینی تعلقات شعبہ کا صدر حاخام "مارک ٹاٹیباوم" کو مدعو کیا گیا تھا جو کونسل کا متعصب صہیونی ترجمان ہے اس نے غیر منقسم بیت المقدس کو اسرائیلی حکومت کے ماتحت رکھنے کی وکالت کی۔

عیسائی فرقہ کی نمائندگی کے لئے انڈیانا یونیورسٹی میں تاریخ اور مشرقی زبان کے استاذ اور اسی یونیورسٹی میں الٰہیات وعقائد کے مرکزی ادارہ کے پرنسپل ڈاکٹر جمیز کریسٹٹیک اور کیمرج یونیورسٹی میں شعبہ اجتماعی تحقیقات کے استاذ پوپ یوسف ریان کو مسیحی نقطہ نظر پیش کرنے کے لئے بلایا گیا تھا، ان دونوں حضرات نے بیت المقدس کے مسئلہ پر بین الاقوامی مسئلہ بنانے کی فکر کی تائید کی اور امریکی حکومت پر زور دیا کہ فلسطین کے قضیہ کو حل کرانے میں منصفانہ موقف اختیار کرے۔

اسلامی نقطہ نظر پیش کرنے کے لئے راقم الحروف ڈاکٹر محمد عبدالرووف کو زحمت دی گئی تھی میں نے اس میٹنگ میں بہت وضاحت سے اس بات پر زور دیا کہ بیت المقدس کو غاصب اسرائیل کے قبضہ سے آزاد کرا کے اسلامی حکومت کے ماتحت کیا جائے۔

اجلاس کا دعوت نامہ ہم کو ۱۵ر جولائی ۱۹۷۱ء کو موصول ہوا تھا جس میں لکھا تھا کہ ۲۸ر جولائی بروز چہار شنبہ ۱۲ر بجے سے اجلاس شروع ہوگا اور شرکاء اجلاس سے درخواست کی گئی تھی کہ اپنے نقطہائے نظر پر مشتمل یادداشت کی کم از کم پچاس فوٹو اسٹیٹ کاپیاں کمیٹی کی سکریٹریٹ کو اجلاس سے تین دن پہلے ضرور روانہ کردیں۔ مقررہ وقت پر، وہائٹ ہاؤس کے اندر ایک بڑے ہال میں عمومی اجلاس شروع ہوا جس کی صدارت ذیلی کمیٹی کے صدر اور کانگریس سینٹر ''مسٹر لی ہملیٹون'' نے کی ان کے استقبالیہ کلمات کے بعد ہم میں سے ہر ایک نے اپنی یادداشت کے مشمولات کا خلاصہ پیش کیا، سب سے پہلے یہودی حاخام نے اپنی یادداشت کا خلاصہ پیش کیا اس کے بعد دونوں مسیحی نمائندوں نے مشترکہ یادداشت پیش کر کے اس کا خلاصہ پیش کیا پھر میں نے اپنے نقطہ نظر کو مختصراً سب کے سامنے رکھا، یادداشت پیش کرنے میں تینوں مذاہب کی ترتیب زمانی کا لحاظ رکھا گیا تھا کہ سب سے پہلے یہودیت ہے پھر نصرانیت کا دور آتا ہے اور آخر میں اسلام ابدی دین کی شکل میں ظاہر ہوا۔

اس کے بعد مباحثہ اور مناقشہ کا دور شروع ہوا جو تین گھنٹہ تک جاری رہا اس درمیان ذیلی کمیٹی کی جانب سے ہم سے سوالات کیے جاتے رہے ان یادداشتوں اور ان پر ہونے والے مباحثوں نیز ان پیغامات کو جو متعلق ذمہ داروں کی طرف سے وزارت خارجہ کی ذیلی کمیٹی کو موصول ہوئے تھے، سب کو جمع کر کے کتابی شکل میں امریکی حکومت نے طبع کرا کے شائع کیا۔

کویت سے شائع ہونے والے مشہور مجلّہ ''الوعی الاسلامی'' کے مدیر اعلیٰ علی جاسم مطر شہاب ایک شمارہ کو ''اسراء ومعراج نمبر'' کے طور پر شائع کرنا چاہتے تھے، انہوں نے راقم الحروف

کوازراہ تعلق ومحبت حکم دیا کہ آپ نے امریکی وزارت خارجہ کی مشرقی وسطی کے متعلق ذیلی کمیٹی میں" بیت المقدس کے مسائل ومشکلات اور اس کے مستقبل" کے موضوع پر جو یادداشت مرتب کی تھی اور اس پر مناقشہ میں حصہ لیا تھا کیا ہی بہتر ہوتا کہ اس کا عربی ترجمہ مع ان سوالات وجوابات کے جو اجلاس عام میں کمیٹی کے ارکان اور آپ کے درمیان ہوئے تھے، الوعی الاسلامی کے اس خاص نمبر میں افادہ عام کے لئے شائع کرنے کی اجازت دیدیں، علی جاسم مطر شہاب کی فرمائش پر میں اپنی یادداشت وغیرہ کا انگریزی سے عربی میں ترجمہ ان کے حوالے کردیا معمولی جزوی اصلاح کے بعد پوری یادداشت ملاحظہ فرمائیں۔

معزز حاضرین اجلاس!

میرے لئے بہت اعزاز واکرام کی بات ہے کہ اس انتہائی اہم اور قابل قدر عمومی اجلاس میں، بیت المقدس کو درپیش مشکلات اور اس کی موجودہ پوزیشن اور اس مقدس شہر کے موضوع پر اپنے نظریات وخیالات ذمہ داروں کے سامنے رکھنے اور بحث ومباحثہ میں حصہ لینے کی سعادت حاصل کر رہا ہوں، میں پوری کوشش کروں گا کہ اپنی گفتگو میں مسلمانوں کے نزدیک اس مقدس وقدیم شہر کی دینی وروحانی حیثیت کو پوری ذمہ داری سے بیان کروں اور اس کے مستقبل کے سلسلے میں نقطہائے نظر پر مباحثہ میں حصہ لوں کیونکہ اس متبرک شہر کی یہود ونصاری اور مسلمان تینوں کے نزدیک زبردست تاریخی اہمیت ہے تینوں ادیان کے افراد اپنے اپنے نقطہائے نظر کے تحت اس کے مستقبل کے بارے میں فکرمند ہیں۔

اسلامی جائداد اور دینی سرمایہ کی حرمت وعظمت:

بیت المقدس کی اہمیت ہم مسلمانوں کے نزدیک مندرجہ ذیل حقائق کی وجہ سے ہے:

اول: اسلامی جائدادوں کی حرمت وعزت:

اسلامی شریعت میں ہر مسلمان کی ملکیت و جائداد کو ایک طرح سے عزت واحترام کا درجہ حاصل ہے، اس کے مالک پر اپنی جائداد وملکیت کا دفاع کرنا واجب ہے جب کہ کوئی اس کو زبردستی لینا یا غصب کرنا چاہے، بہر حال وہ جائداد یا زمین جو تمام مسلمانوں کے دینی یا سماجی منافع کے لئے وقف ہے جیسے ایسی زمین جس پر عبادت کے مسجد تعمیر کی گئی ہے وہ وقف علی المسلمین کا درجہ رکھتی ہے اس کا ادب واحترام کرنا اور اس کی پاکیزگی کا خیال رکھنا، کسی شخصی پرائیوٹ جائداد وزمین کی حرمت وعزت کے مقابلہ میں بہت بڑھا ہوا ہے جس کی حفاظت کرنا ہر مسلمان پر لازم وواجب ہے، لہذا متبرک ومقدس مقامات سے کسی پر غیروں کے جانب سے زیادتی وناانصافی یقینی طور پر مسلمانوں کے جذبات کو برانگیختہ اور شعور واحساس کو مجروح کرنے کے لئے کافی ہے۔

اسلام صرف یہ نہیں کرتا کہ دینی اسلامی جائداد ومقامات کے ادب واحترام کی تاکید کرتا ہے بلکہ وہ خالص طور پر غیر مسلموں کی عبادت گاہوں اور مذہبی مقامات کی بے ادبی کرنے سے سختی کے ساتھ منع کرتا ہے اور بغیر کسی جواز اور حق کے ان کے مذہبی مقامات پر زیادتی کرنے اور قبضہ کرنے کو ناجائز مانتا ہے، دوسرے مذاہب کے لوگوں کے مذہبی جگہوں اور عبادت گاہوں کی عزت وحرمت کا لحاظ کرنے کی بہترین قابل تقلید مثال امیر المومنین حضرت عمر فاروقؓ کا عمل اور موقف ہے کہ انہوں نے مدینہ سے بیت المقدس کا سفر کیا اور اللہ نے ان کے ہاتھوں اس قدیم ومبارک شہر کو فتح کرایا تھا، حضرت عمر بیت المقدس کے گرجا گھر کا معائنہ کر رہے تھے اسی دوران نماز کا وقت ہو گیا گرجا گھر کے پادری نے کہا آپ اسی جگہ نماز ادا کرلیں مگر انہوں نے معذرت کرلی اور اس مقام سے نکل کر کچھ دوری پر نماز ادا کی تاکہ آئندہ آنے والی مسلمان نسل کبھی یہ دعوی نہ کرنے لگے کہ کلیسا میں اس کا حق ہے اس لئے کہ ان کے خلیفہ نے یہاں نماز ادا کی تھی، اس سے

بڑھ کر رواداری اور غیر مسلموں کے مذہبی مقامات کے احترام ورعایت اور کیا دلیل ہوسکتی ہے؟

بیت المقدس کی قدر ومنزلت:

دوم: بیت المقدس کی پاکیزگی اور عظمت کی شان یہ ہے کہ مسجد حرام مکہ مکرمہ اور حرم نبوی مسجد نبوی مدینہ منورہ کے بعد بیت المقدس اور مسجد اقصی کا مقام ومرتبہ ہے، رسول عربی صلوات اللہ علیہ وسلامہ نے شب اسراء ومعراج میں مسجد حرام سے مسجد اقصی کا سفر فرمایا تھا اسی جگہ انبیاء ومرسلین کی امامت فرمائی تھی وہ مسلمانوں کا قبلہ اول بھی ہے اس کے بعد بیت المقدس کی حرمت وعزت اور ادب واحترام ہر مومن کے قلب میں کیوں نہ ہوگی؟ اور تاریخ اسلام میں اس شہر مقدس کی اہمیت کیونکر مسلم نہ ہوگی؟

ہم مسلمان گذشتہ تمام نبیوں اور رسولوں پر ایمان رکھتے ہیں ان کا احترام وتعظیم کرتے ہیں اور ان کی محبت وعقیدت سے ہمارے دل معمور ہیں، ہمارا حضرت ابراہیم وحضرت اسحاق علیہما السلام کی رسالت وصداقت پر کامل ایمان ہے جیسا کہ حضرت اسماعیل وحضرت عیسی اور حضرت عیسی بن مریم کی رسالت ونبوت پر یقین وایمان ہے کہ یہ سب اللہ کے رسول اور اس کے محبوب بندے ہیں انہوں نے اپنے اپنے عہد رسالت میں بندگان خدا کو اللہ کی وحدانیت والوہیت کی طرف بلایا اور صرف اسی ذات واحد لاشریک لہ کی بندگی کا حکم دیا جس طرح کہ ہمارے آقا ومولی نبی آخرالزمان محمد عربی ﷺ نے سب کو اللہ رب العزت کی وحدانیت والوہیت کی عام دعوت دی۔

اسلام اسی صحیح عقیدۂ توحید کی تاکید وتوثیق اور تلقین کرنے آیا ہے جس کو لے کر گذشتہ تمام انبیاء ومرسلین علیہم السلام آئے تھے، اسلام نے اسی کے ساتھ ساتھ انبیاء سابقین علیہم السلام کی عصمت وپاکیزگی اور عظمت وجلالت کو مجروح کرنے والے تمام باطل عقائد کا رد کرکے ان کی شرافت وکرامت اور عنداللہ محبوبیت ومقبولیت کو ثابت کیا جیسا کہ گذشتہ محرف ادیان ومذاہب کی

دینی کتابوں میں انبیاء سابقین کی شان باطل عقائد وافکار ملتے ہیں مثال کے طور پر (نعوذ باللہ) یہودی حضرت سلیمان بن داؤد علیہما السلام کی طرف سحر کو منسوب کرتے ہیں اور ان دونوں کے بارے میں معاصی کے مرتکب ہونے کا عقیدہ رکھتے ہیں، اسلام ان کو صرف بادشاہ اور عام انسان نہیں مانتا بلکہ یہ تعلیم دیتا ہے کہ داؤد وسلیمان اللہ کے برگزیدہ بندے اور منتخب رسول تھے اور ہر قسم کے گناہ سے پاک ومعصوم تھے۔

گذشتہ آسمانی ادیان پر عمل پیرا امتوں کے تئیں مسلمانوں کے دلوں میں عزت واحترام کے مظاہر میں سے یہ بھی ہے کہ مقدس قرآن کریم بہت ہی موثر اور فصیح وبلیغ اسلوب میں بنی اسرائیل کی مظلومیت اور فرعون مصر کے جبر واستبداد کو بیان کرتا ہے جس کو پڑھ کر مسلمانوں کے دلوں میں بنی اسرائیل سے محبت وہمدردی کے جذبات پیدا ہوتے ہیں، قرآن کریم یہ بھی بتاتا ہے کہ اللہ تعالی نے اپنے جلیل القدر رسول حضرت موسی علیہ السلام کی قیادت ورہنمائی میں بنی اسرائیل کو کس طرح فرعون کے استبدادی پنجہ سے نجات دی اور خدائی کے دعویدار فرعون مصر کو اس کے لشکر کے ساتھ غرق دریا کیا، اس انعام خداوندی کے شکرانے میں یہود مدینہ روزہ رکھتے تھے تو اللہ کے رسول ومحبوب محمد ﷺ نے فرمایا کہ ہم بھی شکرانے اور موسی علیہ السلام کی اقتداء میں یوم عاشورہ کا روزہ رکھیں گے یہود کے مقابلہ میں ہم موسیٰ کی موافقت کرنے کے زیادہ حقدار ہیں (بخاری ومسلم)۔

قرآن عظیم سیدہ مریم بنت عمران کی ولادت اور محراب میں ان کی عبادت کرنے کی داستان بھی سناتا ہے اور بتاتا ہے کہ اللہ نے کس طرح ان کو پاکیزہ بنا کر دنیا کی عورتوں پر فضیلت بخشی پھر کس طرح اپنی روح پھونک کر بغیر شوہر کے حاملہ کیا اور ممتاز مقام عطا کیا پھر حضرت عیسی بن مریم کی خرق عادت معجزانہ ولادت اور رسالت اور ان سے ظاہر ہونے والے معجزات کا ذکر کرتا ہے اور اس کے بعد یہ بھی ذہن نشیں کراتا ہے کہ یہودیوں نے کس بے شرمی سے حضرت

عیسیٰ بن مریم کے خلاف سازش کی، رومی حکومت کو ان کے خلاف بھڑکا کر سولی پر لٹکانے کا منصوبہ بنایا مگر اللہ نے اپنے معصوم نبی کو سازش کرنے والوں سے بچالیا اور ان کو زندہ آسمان میں اٹھالیا۔

انبیاء سابقین علیہم السلام سے محبت وعقیدت کا ایک ثبوت یہ بھی ہے، بہت سے مسلمان اپنی بچیوں اور بچوں کا نام حضرت مریم پر اور حضرت اسحاق، یعقوب، یوسف، ہارون، داؤد، سلیمان، موسیٰ وعیسیٰ علیہم السلام کے نام پر رکھتے ہیں، جبکہ یہ سب انبیاء بنی اسرائیل میں سے جلیل القدر پیغمبر ہیں۔

اس پاکیزہ اور مبارک تعلق کے پیش نظر جو کہ مسلمانوں کو ان عظیم المرتبت رسولوں سے جوڑتا ہے جنہوں نے سرزمین مقدس بیت المقدس میں زندگی گذاری، عبادت کی اور دعوت وتبلیغ کا آسمانی فریضہ ادا کیا یہاں تک کہ بہت سے بیت المقدس میں شہید کئے گئے لہذا اس سرزمین پاک اور اس کے درو بام، ذروں اور سنگریزوں تک سے مسلمانوں کو عقیدت ومحبت اور قلبی تعلق ہے خاص کر شہر کے اس مقام سے والہانہ روحانی ربط ہے جس کو حرم شریف (مسجد اقصیٰ) کہا جاتا ہے جس کے گرد وپیش میں اللہ نے برکتیں رکھی ہیں۔

محمد رسول اللہ ﷺ اور بیت المقدس:

سوم: ہجرت مدینہ سے پہلے مکہ مکرمہ میں رسول عربی ﷺ کے سفر بیت المقدس ''اسراء ومعراج'' کا عظیم الشان واقعہ درحقیقت مسجد حرام ومسجد اقصیٰ کے قدیم باہمی ربط پر ربانی مہر ہے کہ واقعہ معراج نے ماضی کو حال سے جوڑ کر اس پاکیزہ تعلق کو مزید مستحکم وبابرکت بنادیا اور ابراہیمی شعائر وعلامات اور خاتم النبیین ﷺ کی رسالت ونبوت کے درمیان نسبی ودینی روابط کو واضح کردیا اور ثابت کردیا کہ عقیدۂ توحید وایمان میں اسلام کا سابقہ آسمانی ادیان کے ساتھ اخوت ویکسانیت کا مفہوم پایا جاتا ہے اور اس کی سب سے واضح دلیل یہ ہے کہ جب مسلمانوں پر

پنجوقتہ نماز فرض ہوئی تو مسجد اقصی (بیت المقدس) کو مسلمانوں کا قبلہ بنایا گیا اگر چہ سولہ یا سترہ ماہ بعد تحویل قبلہ کے ذریعہ بیت اللہ شریف کو ابدی قبلہ بنایا گیا لیکن بیت المقدس کو قبلہ اول ہونے کا جو مقام ومرتبہ حاصل ہے اس کی تاریخی اہمیت اور روحانی حیثیت سے مسلمان دستبردار نہیں ہو سکتے۔

بیت المقدس اسلامی شعائر میں سے ہے:

چہارم: بیت المقدس کے فتح ہونے سے لے کر آج تک وہ مسلمانان عالم کی نگاہوں کا محور اور آرزوں کا مرکز بنا ہوا ہے ان کے عقیدہ میں مسجد اقصی میں نماز ادا کرنا اسلامی شعار میں سے ہے کیونکہ اللہ کے رسول ﷺ کی حدیث پاک ہے: ''دنیا کی کسی مسجد میں عبادت وزیارت کے لئے سفر کی صعوبت نہ برداشت کی جائے سوا ان تین مسجدوں کے، مسجد نبوی، مسجد حرام اور مسجد اقصی''۔ اسی وجہ سے بہت سے مسلمان جب حج بیت اللہ اور مسجد نبوی کی حاضری سے فارغ ہوتے تھے تو بیت المقدس کی زیارت کا قصد کرتے تھے، اس لئے کہ وہ اپنے سفر حج کی تکمیل ان تینوں مساجد کی زیارت کا شرف حاصل ہونے میں سمجھتے ہیں، اور کسی تعجب کی بات نہیں، کیونکہ ایک مسلمان جب بیت المقدس کی زیارت کرتا ہے اور اس روح پرور مناظر کو دیکھتا ہے تو اس کا ذہن ان برکات کی طرف چلا جاتا ہے جو ہزاروں سال قبل سیدنا ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام پر اسی سرزمین پاک پر نازل ہوئی تھیں، بیت المقدس وہ بلند مرتبت سرزمین ہے جس میں داخل ہونے کی آرزو حضرت موسی علیہ السلام کی تھی اور مصر سے آنے کے بعد بنی اسرائیل کو ارض مقدس میں داخل ہونے وہاں پر قابض عمالقہ سے جہاد کرنے پر ابھارا تھا، لیکن بنو اسرائیل نے بزدلی دکھائی اور انکار کردیا، ''وقالوا یا موسی إن فیھا قوماً جبارین فاذھب أنت وربک فقاتلا انا ھھنا قاعدون'' (سورہ مائدہ:) (اور کہا اے موسی اس میں بہت زبردست قوم ہے لہذا آپ اور آپ کا رب جاکر ان سے قتال کرے ہم تو یہیں رہیں گے)۔

اس کا طائر خیال حضرت داؤد و حضرت سلیمان علیہما السلام کے اس عہد زریں میں پرواز کرنے لگتا ہے جب کہ بیت المقدس اسلامی مملکت کا پایہ تخت تھا اور دولت وثروت، عدل وانصاف، امن وسکون کی باد بہاری چلتی تھی، وہ خیالوں کے دوش پر سوار حضرت مریم وحضرت زکریا علیہما السلام کے زمانے میں پہنچ جاتا ہے جب کہ محراب مسجد میں مریم بنت عمران عبادت کرتی تھیں اور حضرت زکریا ان کے پاس بے موسم کا تازہ پھل دیکھ کر حیرت سے سوال کرتے تھے: "أنی لک ھذا" (اے مریم یہ پھل تم کو کہاں سے مل گئے) ان کا جواب تھا: "ھذا من عند اللہ" (یہ اللہ کے پاس سے آیا ہے)، پھر حضرت زکریا کے دل میں اولاد کی تڑپ جاگتی ہے اور دعا میں جٹ جاتے ہیں۔

بیت المقدس کے مناظر ومشاہد کا دیدار کرتے وقت بندۂ مومن شب اسراء ومعراج کی یاد میں کھو جاتا ہے وہ رسول کائنات ﷺ نقوشہائے قدم تلاش کرنے لگتا ہے، براق کے باندھنے کی جگہ کا مشاہدہ کرتا ہے اور ان انبیاء علیہم السلام کی یادوں کا چراغ اس کے دل میں روشن ہو جاتا ہے جنہوں نے اس مبارک شب میں محمد عربی خاتم النبیین ﷺ کی اقتداء میں نماز ادا کی تھی۔

بیت المقدس اہل اللہ کی زیارت گاہ ہے:

قرآن وحدیث میں بیت المقدس کی ذکر کردہ فضیلت اور مسجد اقصی میں نماز ادا کرنے کی ترغیب کے پیش نظر ہر دور میں بیت المقدس اہل اللہ اور علماء حق، صالحین امت اور صوفیاء واتقیاء کی جائے پناہ رہا ہے جہاں ان پاکیزہ نفوس نے زندگی بسر کرنے اور اس کا پیوند خاک بننے کو ترجیح دی، ان میں کتنے جلیل القدر صحابہ کرام اور علماء دین اور اکابر صالحین ہیں، بہت سے نامور مصنفین ومحدثین اور محققین ہیں ان ہی مشہور شخصیات میں سے جنہوں نے بیت المقدس کو مدتوں اپنی عبادتی ودعوتی زندگی کا مرکز اور تزکیہ نفس واصلاح باطن کی سرزمین بنایا امام ابوحامد محمد غزالیؒ ہیں انہوں نے چھٹی صدی ہجری میں بغداد کی سکونت اور مدرسہ نظامیہ کی صدارت ترک

کر کے بیت المقدس کو اپنا مسکن بنالیا تنہائی و یکسوئی کے ساتھ برسوں محاسبہ نفس اور تزکیہ باطن میں لگے رہے یہاں تک کہ اعلیٰ ترین روحانی مدارج طے کئے اسی قیام کے زمانہ میں اپنی کئی مشہور ومعروف کتابیں تصنیف کیں خاص کر احیاء علوم الدین جیسی مشہور عالم کتاب۔

بیت المقدس سے مسلمانوں کی محبت کا ہی نتیجہ ہے کہ مختلف عہد وزمانہ میں خوشحال ومالدار اور ایثار پسند مسلمانوں نے وہاں زائرین کی خاطر داری اور قیام وطعام کی سہولیات کے لئے رباطیں، سرائیں وغیرہ بنوا کر وقف کی ہیں، حقیقت تو یہ ہے کہ ہزاروں شہدائے اسلام اپنے پاکیزہ لہو سے اس کے ذرہ ذرہ کو سیراب کیا ہے، اس کی خاک میں بے شمار علماء صالحین اور خاصان خدا آرام کر رہے ہیں۔

بیت المقدس پر مسلمانوں کی توجہات وعنایات اور اس سے والہانہ تعلق سے وہاں آباد اہل کتاب پر نہ کبھی کوئی ظلم وزیادتی ہوئی نہ ان کی عزت وآبرو اور ان کی مقدس مذہبی مقامات، عبادت گاہوں کو کوئی خطرہ لاحق ہوا مسلمانوں کے زیر اقتدار بیت المقدس کے عیسائی باشندوں نے انتہائی پرسکون وخوشحال زندگی گزاری ہے، مسیحی پادریوں اور زائرین کے وفود وہاں بغیر کسی رکاوٹ اور دشواری کے آتے رہے، یہی نہیں یہودیوں کے بیت المقدس سے ختم ہوجانے اور تقریباً چھ سال تک ان پر پابندی کے بعد اسلامی عہد خلافت میں ان کو بیت المقدس میں اپنے مذہبی مقامات کی زیارت کرنے کے بالکل آزادی حاصل ہوئی۔

بیت المقدس کے قضیہ کا شرعی حل:

میں مکمل اعتماد اور اخلاص نیت سے کہتا ہوں کہ بیت المقدس کے قضیہ کا شرعی حل- اور یہی واحد عملی حل ہے- یہ ہے کہ اس کو پوری طرح اسلامی شناخت کے ساتھ اسلامی حکومت کے حوالے کر دیا جائے میرے اس نظریہ ومشورہ کی چند بنیادی وجوہات ہیں جو حسب ذیل ہیں:

اول: اسلام تمام آسمانی ادیان کی قدر کرتا ہے:

مسلمان یہودیت اور نصرانیت کو آسمانی دین مانتے ہیں جس میں ان کے ماننے والوں نے من مانی تحریف کر کے اس کی اصل حقیقت کو مسخ کر دیا ہے، اسلام کی آمد سے قبل یہ دونوں مذہب معتبر تھے چونکہ اسلام کامل ومکمل ناسخ الادیان مذہب بن کر آیا اس لئے اب یہودیت ونصرانیت پر عمل کا اعتبار نہیں، اس کے برعکس یہود ونصاری اسلام کو آسمانی دین نہیں تسلیم کرتے بلکہ ان کا یہ خیال ہے کہ اسلام یہودیت اور عیسائیت سے مشتق ہے اور ان دونوں کی اساس پر قائم ایک نظریہ ہے، یہی وجہ ہے کہ اس کی مخالفت میں پیش پیش رہتے ہیں۔

اسلام جس طرح چودہ سو سال قبل گذشتہ تمام آسمانی ادیان و مذاہب کو تسلیم کرتا تھا آج بھی یہ مانتا ہے کہ اہل کتاب کے ساتھ محبت ورواداری کا برتاؤ کیا جائے اور اس کی تعلیم بھی دیتا ہے اگر چہ یہ تمام مذاہب وادیان تحریف شدہ جادۂ حق سے دور ہو چکے ہیں، لیکن ان کی اصل تعلیم کا کچھ نہ کچھ حصہ اپنی صحیح حالت پر ہے لہذا رسول اللہ ﷺ نے یہود ونصاری کو یہی پیغام دیا تھا کہ اس کلمہ کی طرف آؤ جو ہم سب کے درمیان مشترک ہے کہ ایک اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں''، کیونکہ اسلام کا ظہور اسی دین کی تجدید تھی جس کو انبیاء سابقین لے کر آئے تھے اور آنحضور ﷺ اسی عقیدہ وحدانیت والوہیت میں انسانی تحریفات کے اثرات کو دور کرنے کی مہم چلا رہے تھے جو تواتر کے ساتھ انبیاء ومرسلین (علیہم السلام) کے عہد بعہد چلا آرہا تھا اور جہاں تک اس نظریہ کی بات ہے کہ مسیحیت، یہودیت سے مشتق مذہب ہے یا اسلام ان دونوں سے مشتق دین ہے تو یہ غلط نظریہ اور دعوی ان دانشوروں کا ہے جو نبوت ورسالت اور وحی الہی کے حقیقی مفہوم سے ناواقف ہیں، کیونکہ دین ومذہب کوئی فلسفہ نہیں کہ کسی فلسفی نے اپنا ایک نظریہ حیات پیش کیا اور دوسرے فلاسفہ نے اسی کی بنیاد پر اپنا نظریہ قائم کیا بلکہ انبیاء ورسل اللہ کے منتخب بندے ہوتے ہیں جو وحی الہی کے تابع ہو کر وہی بات کہتے ہیں جو اللہ کی طرف سے بتائی جاتی ہے

اس لئے یہودیت اول تا آخر وحی الٰہی پر قائم دین تھا تو مسیحیت بھی وحی ربانی کی بنیاد پر قائم مذہب تھا، دونوں کی اپنی اصل روح اور حقیقت تھی جیسا کہ اسلام کی اپنی آسمانی حقیقت ہے، نہ اس نے گذشتہ ادیان سے نظریہ وعقیدہ اخذ کیا ہے نہ ہی ان کے تابع ہے، بلکہ وحی الٰہی کے تابع مذہب وشریعت ہے، "وما ینطق عن الهوى إن هو إلا وحي يوحى" (سورہ النجم:) رسول اپنی خواہش کے مطابق عقیدہ ونظریہ نہیں بیان کرتے بلکہ جو کچھ کہتے ہیں وہ وحی الٰہی ہوتی ہے ہاں بہت سی باتوں میں انبیاء سابقین اور اسلام کی تعلیمات میں قدر مشترک پائی جاتی ہے اس لئے اصل دعوت اللہ واحد لاشریک لہ کی وحدانیت اور اس کی الوہیت کو عام کرنا ہے جو ہر دور میں انبیاء ومرسلین (علیہم السلام) نے انجام دیئے۔

اسلام ان ہی باتوں کی وجہ سے کہ یہودیت ومسیحیت کی آسمانی اصل ہے ان دونوں مذاہب کی عزت وحرمت اور تکریم کا جتنا زیادہ لحاظ وپاس کرنے کا حکم دیتا ہے ان دونوں مذاہب کے پیروکار اسلام اور اس کے مقدس مقامات ودینی شعائر کی ذرا بھی رعایت نہیں کرتے اور نہ مسلمانوں کے حقوق کا خیال کرتے ہیں۔

اسلام اور اہل کتاب:

دوم: اسلام، یہودیت ومسیحیت کے اعتراف کے ساتھ ساتھ ان کے ماننے والے یہود ونصاریٰ کا اعزاز بھی کرتا ہے کہ عام بت پرستوں سے ان کو ممتاز کر کے اہل کتاب کے لقب سے خطاب کرتا ہے یہاں تک کہ قرآنی آیات صراحت کرتی ہیں کہ ان یہود ونصاریٰ میں سے جو بھی اللہ اور آخرت پر ایمان لائے اور عمل صالح کرے، رسول اللہ کی رسالت کو تسلیم کرے گا تو اس کے لئے مسلمانوں کی طرح اللہ کے پاس اجر وثواب ملے گا اور ان پر کوئی خوف وغم نہ ہوگا بلکہ دونوں مذہب یعنی یہودیت یا نصرانیت پھر اسلام پر عمل کرنے کا ثواب ملے گا۔ ام المومنین حضرت صفیہ جب ایمان لائیں تو بعض ازواج مطہرات رضی اللہ عنہم نے ان کو یہودن کا طعنہ دیا

تو انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے شکایت کی اس پر آپ ﷺ نے کہا تم نے کیوں نہ کہا کہ موسیٰ میرے باپ، ہارون میرے چچا اور محمد رسول اللہ میرے شوہر ہیں، یعنی یہ تو ہمارے لئے فخر و ناز کی بات ہے، جس طرح اسلام یہود و نصاریٰ کے وقار کو مجروح نہیں کرتا اسی طرح اسلام اہل کتاب کے ساتھ رواداری، حسن سلوک اور ان کی جان و مال کی حفاظت اور ان کی عبادت گاہوں کے احترام کی ترغیب دیتا ہے اس کے برعکس یہودیوں کا معاملہ مسلمانوں اور ان کے متبرک مقامات کی تحقیر و تذلیل اور ان کے ساتھ اہانت آمیز سلوک کا ہے اس موقع پر میں بتاتا چلوں کہ بیت المقدس کی فتح سے قبل مسجد اقصیٰ کے مقام پر یہودی کوڑا کباڑ ڈالتے تھے اور جان بوجھ کر اس جگہ کی اہانت کرتے تھے۔ خلیفہ دوم حضرت عمر بن الخطابؓ نے جب بیت المقدس کے لاٹ پادری کے ساتھ صلح کا معاہدہ کیا اور بیت المقدس کو اسلامی خلافت کا حصہ بنایا تو انہوں نے پادری ''صفرنیوس'' سے مسجد اقصیٰ کی اصل جگہ کے بارے میں معلوم کیا تا کہ اس کی تحقیق اپنے حبیب و محبوب رسول محمد عربی ﷺ کے بیان کردہ اوصاف کی روشنی میں کریں جیسا کہ شب اسراء و معراج میں واپسی کے بعد آنحضور ﷺ نے بیت المقدس اور مسجد اقصیٰ کے اوصاف و علاقات ذکر فرمائے بہت تلاش کے بعد جب اصل جگہ کی نشاندہی ہوئی تو وہاں پر دیکھا کہ وہ متبرک جگہ گندگی، کوڑا کرکٹ سے اٹی پٹی ہے خود امیر المومنین فاروق اعظم اور آپ کے ہمراہ میں اسلامی سپہ سالاروں، مجاہدین اسلام نے اس مبارک جگہ کی تطہیر کا کام شروع کیا جب اصلی آثار صاف ہو کر سامنے آگئے تو حضرت عمرؓ نے اس جگہ کے اطراف چہار دیواری بنانے کا حکم دیا اور اس کی اہانت کرنے سے سختی کے ساتھ منع فرمایا، چند دنوں میں مسجد اقصیٰ کی تعمیر جدید کر کے اس پر گنبد صخرہ تعمیر کروایا جو ہمیشہ کے لئے اسلامی آثار میں شمار ہوتا رہے گا۔

اس اسلامی رواداری کے مقابلہ میں ہم یہودیوں کی جانب سے مسجد اقصیٰ اور مسلمانوں کے اوقاف کو بے شرمی سے منہدم کر کے زمین کے برابر کرنے کی پلاننگ اور اس مسجد

کے ساتھ ساتھ مسلمانوں کے دوسرے مقدس مقامات کی تحقیر واہانت، ان کو نذر آتش کرنے کی پرفریب کوشش کو کس خانہ میں رکھیں؟ جس نے بین الاقوامی سطح پر مسلمانان عالم اور دوسرے تمام حق پسند انصاف پرست افراد کو کرب والم سے دوچار کر دیا ہے، مجھے بتایا جائے کہ مسلمانوں اور یہودیوں کے مابین کون فریق، تینوں تاریخی اور آسمانی دین کے مشترکہ عظیم یادگار بیت المقدس ومسجد اقصی کی تولیت کا زیادہ حقدار ہے؟ یہود جو اسلام سے اس قدر نفرت کرتے ہیں یا مسلمان جو یہود ونصاری دونوں کے ساتھ حسن معاملہ اور ان کے آثار کی عزت کرتے ہیں؟

بیت المقدس میں عربی وجود:

پورے فلسطین اور بیت المقدس میں عربوں کا وجود بغیر کسی انقطاع کے زمانہ قدیم سے پایا جاتا ہے، جبکہ صہیونیوں کا جھوٹا پروپیگنڈہ اور دعوی ہے کہ بیت المقدس اور فلسطین میں یہودی ہزاروں سال سے آباد چلے آرہے ہیں یہ پروپیگنڈہ اس نظریہ وپلان کے تحت کیا جارہا ہے کہ ان علاقوں پر اپنے قدیم تاریخی حقائق کو ثابت کرسکیں، عبرانی نسل کے یہودیوں کے پہنچنے سے پہلے ان متبرک علاقوں میں کنعانی اور یبوسی عرب قبائل کی اکثریت تھی یہ عربی الاصل لوگوں کی ایک شاخ تھی جو جزیرہ نمائے عرب کے وسطی علاقہ سے ہجرت کرکے سرزمین فلسطین میں آباد ہوئی تھی بلکہ بیت المقدس شہر کا بانی ایک یبوسی عربی بادشاہ تھا اور یہ بیت المقدس پر یہودیوں کے قبضہ سے کئی ہزار سال پہلے کا واقعہ ہے، یہودیوں کے قبضہ کے بعد حضرت داؤد وسلیمان علیہما السلام کے ایام حکومت سے یہاں یہودیوں کا وجود ملتا ہے مگر ان کی عظمت وشوکت کا یہ دور بھی زیادہ طویل نہیں ہے اس لئے کہ خلافت راشدہ کے دور حکومت میں جب بیت المقدس کو مسلمانوں نے فتح کیا تو اس وقت بیت المقدس میں یہودیوں کے تمام آثار بالکل محو ہو چکے تھے لہذا یہ کہنا صحیح نہیں ہے کہ عربوں کا وجود بیت المقدس کی فتح کے بعد شروع ہوتا ہے لیکن ہم جانتے ہیں کہ فلسطین کا یہ علاقہ اسلامی فتح کے وقت غسانی حکومت کے تابع تھا جو کہ عرب عیسائی ریاست تھی، لیکن اس

حکومت میں بھی یہودیوں کو بیت المقدس میں آنے کی ممانعت تھی بلکہ یہ بندش صدیوں سے نافذ العمل چلی آرہی تھی۔ اسلامی فتح کے وقت جب کہ خلیفہ دوم حضرت عمرؓ سے بیت المقدس کے میئر لاٹ پادری (صفرنیوس یا سوفونیوس) سے معاہدہ بیت المقدس پر بات چل رہی تھی، پادری کا اصرار تھا کہ صدیوں جاری اس پابندی کو باقی رکھا جائے کہ بیت المقدس میں کسی یہودی کو رہنے کی اجازت ہرگز نہ دی جائے، سیدنا عمر فاروقؓ نے تو یہ شرط قبول کرلی لیکن بعد کے زمانوں میں مسلم خلفاء وسلاطین نے اسلامی رواداری اور انسانیت نوازی کا ثبوت دیتے ہوئے اس پابندی کو ختم کردیا اور یہودیوں کو بیت المقدس میں زیارت کے لئے آنے اور بعض حالات میں وہاں سکونت اختیار کرنے کی اجازت دیدی۔

ان سب حقائق سے واضح ہوتا ہے کہ ہزاروں سال سے عبرانیوں کی آمد سے قبل فلسطین میں یہودیوں کا کوئی نام ونشان نہیں تھا جبکہ عربی عنصر پورے خطہ میں پایا جاتا تھا نیز یہ بھی ثابت ہے کہ بیت المقدس کی فتح سے صدیوں سال پہلے اس متبرک سرزمین سے یہودی وجود اور یہودی آثار بالکل مٹ چکے تھے۔

جہاں تک یہودیوں کی عبادت گاہ دیوار گریہ کی بات ہے تو میرے نزدیک یہ صہیونی یہودیوں کی ایجاد کردہ جذباتی جدید داستان ہے تاکہ اسی بہانے یہودیوں کو جذباتی طور پر ایک دینی مرکز پر جمع کرکے اس سے خالص سیاسی فائدہ اٹھائیں اگر واقعی دیوار گریہ کی کوئی قدیم تاریخی حیثیت ہوتی تو اس صدی کے آغاز میں شائع ہونے والی جیوش انسائیکلوپیڈیا میں اس پر کوئی تحقیقی مقالہ ضرور شامل ہوتا، ابتداء میں تو کوئی تذکرہ نہیں ملتا مگر بعد کے ایڈیشنوں میں صہیونی لابی کے پروپیگنڈہ اور عام شہرت کی وجہ سے دیوار گریہ پر مقالہ شامل کردیا گیا ہے، اور برطانوی اقتدار کے زمانہ میں متعدد ممالک نے فلسطین کے مسئلہ پر جو غیر جانبدار عالمی کمیٹی بنائی تھی اور اس میں کسی مسلمان ممبر کو شامل نہیں کیا تھا اس کمیٹی نے طویل بحث ومباحثہ اور وسیع تر تحقیقات کے بعد

۱۹۳۰ء میں یہ طے کر دیا تھا جس مقام کو دیوار گریہ کہا جاتا ہے وہ حقیقت میں خالص اسلامی وقف کی ملکیت ہے اور مسجد اقصی کا غیر متنازع جزء ہے اسی طرح اس کے قریب کا چبوترہ جو دیوار گریہ اور مسجد کے درمیان واقع ہے وہ بھی اسلامی اوقاف میں داخل ہے، مگر افسوس ناک بات یہ ہے کہ ۱۹۶۷ء میں بیت المقدس پر اسرائیلی غاصبوں کے قبضہ کے فوراً بعد اس مقدس جگہ کی عزت وحرمت کی رعایت کئے بغیر وہاں کے قدیم مسلمان باشندوں کو وہاں سے جبراً ہٹا کر اور اس زمین (چبوترہ) ختم کر کے دیوار گریہ کے میدان کو مزید وسیع کر دیا گیا۔

اور جب یہ واضح حقیقت ہے کہ فلسطین اور بیت المقدس میں عربوں کا وجود قدیم ترین اور مسلسل ہے تو قطعی طور پر فلسطین اور بیت المقدس پر مسلمان عربوں کا تاریخی حق ثابت اور قوی ہے نیز دوسرے مذہبی فرقوں کے دعوی سے زیادہ پرانا ہے۔

مسلمانوں کے نزدیک مقدس مقامات کا احترام:

یہود ونصاری اور ان کی عبادت گاہوں، اور مقدس مقامات کی عزت ورعایت کرنا مسلمانوں کی فطرت سلیمہ کا حصہ اور ان کی دینی تعلیمات کا مرہون منت ہے، اس میں کسی قسم کی چاپلوسی یا دنیا کو دکھانے کی پالیسی نہیں جیسا کہ یہودیوں اور عیسائیوں کا معاملہ ہے کہ وہ دنیا کو فریب میں مبتلا رکھتے ہوئے زبان سے اسلام کی عزت اور مسلمانوں کے مذہبی مقامات کے احترام کی باتیں روز روز کرتے ہیں مگر عملی طور پر ان کی ہر کارروائی مسلمانوں اور اسلام کے خلاف ہوتی ہے ہمارا شاندار ماضی اور تاریخی واقعات ہمارے اس دعوی کو سچ ثابت کرنے کے لئے کافی ہیں ہم پہلے ہی ذکر کر چکے ہیں کہ اسلامی عہد خلافت اور دور حکومت میں کس طرح مسیحیت بیت المقدس میں سکون سے پھل پھول رہی تھی اور کس قدر اعلی ظرفی کا ثبوت دیتے ہوئے مسلمان خلفاء وسلاطین نے بیت المقدس میں یہودیوں پر عائد پابندی کو ختم کر کے ان کو اس مقدس شہر میں داخل ہونے اور اپنے متبرک مقامات کی زیارت کرنے نیز وہاں قیام کرنے کی اجازت دی تھی

اور رواداری اور عزت وتکریم کا یہ برتاؤ یہود ونصاریٰ کے ساتھ ان صدیوں میں کیا گیا جو مسلمانوں اور عیسائیوں کے ساتھ کشیدگی، تعصب اور معرکہ آرائی کا زمانہ کہلاتا ہے۔اسی دور میں عباسی خلیفہ ہارون رشید نے بیت المقدس میں عیسائی زائرین اور وفود کی راحت رسانی کی خاطر متعدد آرام گاہیں، سرائیں، اور ہال وشیڈ تعمیر کروائے تھے اسی طرح گرجا گھروں، عیسائی عبادت گاہوں کی دیکھ بھال، صفائی ستھرائی کے لئے راہبوں اور راہبات کو قیام کی اجازت دی تھی، بیت المقدس میں مشہور کنیسۃ القیامۃ (کلیسائے قیامت) کی تولیت کئی صدیوں تک مسلم خاندان کے پاس رہی اور اس کی نگرانی میں کسی قسم کی کمی یا کوتاہی نہیں کی گئی، یہ سلسلہ اسرائیلی دہشت گردی و دراندازی تک قائم رہا۔

اس کے علاوہ صلیبی جنگوں کے زمانہ میں عیسائیوں نے بیت المقدس پر قبضہ کر کے مسلمانوں اور یہودیوں کا بے دردی سے وحشیانہ قتل عام کیا تھا مگر جب سلطان صلاح الدین ایوبی نے بیت المقدس کو عیسائیوں کے تسلط سے آزاد کر دیا اور ان کے وجود سے اس کو پاک کیا تو اس نے صلیبی حملہ آوروں سے کسی قسم کا انتقام نہیں لیا اور درگذر کا برتاؤ کیا اسی حد تک نہیں بلکہ عین جنگ کے زمانہ میں سلطان نے دشمن فوج کے عیسائی زائرین کو بیت المقدس میں زیارت کے لئے آنے کی اجازت دی تھی، کیا کوئی بادشاہ اپنے جانی دشمنوں کے ساتھ رواداری کا ایسا معاملہ کر سکتا ہے؟ اور ۱۴۷۳ء میں فلسطین بیت المقدس کا پورا علاقہ مصر کے سلطان قایتابی (Sultan Qaitbay) کے زیر نگیں تھا، اسی عہد میں مسلمانوں پر اس حقیقت کا انکشاف ہوا کہ یہودیوں نے خفیہ طور پر بیت المقدس میں اپنی ایک عبادت گاہ تعمیر کر لی ہے اس انکشاف نے مسلمانوں کو مشتعل کر دیا اور بعض لوگوں نے یہودی معبد کو نقصان پہنچایا یا جب سلطان قایتابی کو صورت حال کا علم ہوا تو اس نے زیادتی کرنے والے لوگوں کو سزا دی اور یہودی معبد کو دوبارہ تعمیر کروایا اور سرکاری طور پر یہودیوں کو عبادت گاہ تعمیر کرنے کی باضابطہ دی یہ اجازت، عیسوی سنہ کے آغاز سے طیطس

(Titus) شہنشاہ روم کے عہد میں لگی پابندی کے بعد پہلی بار یہودیوں کو ایک مسلم حکمراں کے ذریعہ حاصل ہوئی تھی۔

متبعین اسلام کے ان شاندار کارناموں کے نمایاں وروشن ریکارڈ کا موازنہ ان دلسوز ودردناک ابتلاء وآزمائش سے کیجئے جن سے اہل کتاب عیسائیوں کے ہاتھوں مسلمانوں کو دوچار ہونا پڑا، تاریخ نے صلیبیوں کے رسواکن سیاہ کارناموں کو محفوظ رکھا ہے جنہوں نے معاہدہ امن کی دھجیاں اڑا کر بیت المقدس پر قبضہ کے وقت کئی ہزار بے گناہ مسلمانوں کو بے رحمی ودرندگی سے تہہ تیغ کردیا اور بے گناہ مسلمانوں کی بیخ کنی کے جنون میں ایسے ایسے انسانیت سوز اور شرمناک کام کئے جس سے جبین انسانیت مارے شرم وحیاء کے عرق آلود ہوجاتی ہے اس کے بعد ۱۹۶۷ء میں یہودی دراندازدہشت گردوں نے بیت المقدس پر قبضہ کرنے انہیں انسانیت سوز جرائم کا ارتکاب کیا، ہماری اسلامی مساجد کے گنبدوں، اذان گاہوں پر اسرائیلی پرچم لہرایا، کتنی مسجدوں اور مقدس مقامات کو شہید کر کے زمین کے برابر کردیا، ہمارے قبلہ اول تیسری سب سے عظیم المرتبت مبارک مسجد، مسجد اقصی کے اندر گھس کر عبادت کرنے لگے جوش جنون وفرط عداوت میں مسجد اقصی کے منبر ومحراب کو نذر آتش کر ڈالا، مسلمانوں کے شدید احتجاج کے باوجود مسجد اقصی کی چہار دیواری کے اردگرد اس کی بنیادوں سے متصل گہری سرنگوں کی کھدائی کا کام شروع کیا اس طرح بنیادوں کو کمزور کرنے کا منصوبہ ہے تاکہ مسجد اقصی (نعوذ باللہ) منہدم ہوجائے۔ مسجد اقصی کے اردگرد صدیوں آباد مسلمانوں اور عیسائیوں کو جبراً ان جگہوں سے نکال بھگایا، طرح طرح سے ان پر دباؤ ڈالا گیا دھمکایا گیا کہ از خود چلے جائیں پھر زبردستی ہٹادیا گیا تاکہ مسجد اقصی اور بیت المقدس کو پوری طرح یہودیت میں رنگ دیا جائے، مسلمانوں کے مقدس ومتبرک مقامات کے قرب وجوار میں نئے نئے مکانات اور کالونیاں بنائی گئیں تاکہ باہر ملکوں سے یہودی آبادکاروں اور مہاجروں کو لاکر وہاں بسایا جائے۔ یہودی حکمراں اتنے بے حس وبے غیرت ہیں کہ ان کو بین الاقوامی

رائے عامہ کی ناراضگی اور اقوام متحدہ کی جاری کردہ اپیلوں کی کوئی پروانہیں ہے۔

صہیونیوں کی طرف سے ان تمام اشتعال انگیز کارروائیوں کے باوجود ہم نے مصر ودیگر اسلامی ممالک میں مسلمانوں کی طرف سے کسی انتقامی کارروائی کرنے اور یہودیوں کے معبدوں وکنیسا کو نقصان پہنچانے کے بارے میں نہیں سنا اور نہ ہی فلسطین میں عرب مسلمانوں کے خلاف اسرائیل کی ظالمانہ و جارحانہ کارروائیوں کے خلاف یا مسجد اقصیٰ کی بے حرمتی کرنے پر، اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور اولیاء صالحین اور دوسرے مسلمانوں کی قبروں کی اہانت کرنے پر مسلمانوں نے کسی قسم کا انتقامی بدلہ لیا ہو اور یہودی سیاحوں کو ستایا ہو یا ان کو تکلیف وغیرہ پہنچائی ہو۔

مزید برآں صہیونیوں کی پروپیگنڈہ مشینری بے شرمی کے ساتھ باطل کو حق اور حق کو باطل بنانے میں سرگرم ہے لہذا کسی بھی اسرائیلی صہیونی دہشت گردانہ عمل کے خلاف کارروائی کو حقیقت حال کے برعکس انتقامی کارروائی کے نام دے کر پرچار کیا جاتا ہے اگر کسی یہودی جرائم پیشہ یا دہشت گردی کرنے والے شخص پر نقض امن کے خطرہ کے سبب کسی طرح کی پابندی عائد کی جاتی ہے تو یہودی پروپیگنڈہ لابی اس پابندی کو بہت شدومد سے یہودیوں کے خلاف دینی تعصب کے تحت انتقامی کارروائی سے تعبیر کرتی ہے۔ اگر کوئی یہودی شخص کسی عربی اسلامی ملک سے اپنی سکونت ترک کر کے اختیاری طور پر اسرائیل کی طرف ہجرت کرتا ہے جیسا کہ بہت سے لوگ ایک ملک کی شہریت ترک کر کے امریکہ، برطانیہ چلے جاتے ہیں، تو یہودیوں کے خلاف ہر قانونی کارروائی کو اس انداز میں پیش کیا جاتا ہے گویا یہودیوں پر عرب ممالک میں عرصہ حیات تنگ کیا جا رہا ہے، ان کے ساتھ تعصب برتا جا رہا ہے اور اسرائیلیوں کے جرائم اور ان کی غیر قانونی انسانیت سوز حرکتوں، کارروائیوں کو مثبت انداز میں اس طرح پیش کیا جاتا ہے گویا یہی ہونا چاہیے تھا اس کی مخالفت کرنا غلط ہے جیسے فلسطینیوں کی سرزمین پر اسرائیل کے ناجائز قیام کو ''جنگ

آزادی'' سے تعبیر کیا گیا اور ۱۹۶۷ء میں بیت المقدس کے مشرقی حصہ پر زبردستی قبضہ کر لینے کو مغربی و مشرقی بیت المقدس کو متحد کرنے اور دونوں جزء کو باہم ایک حکم کے تحت ضم کرنے سے تعبیر کیا گیا۔

ان یہودی سازشوں، پروپیگنڈوں، اور جرائم وغیرہ سے واضح ہوتا ہے کہ بیت المقدس پر صہیونیوں کا نہ کوئی حق ہے اور نہ اس سے عقیدت ومحبت ہے بلکہ اس پاکیزہ ومتبرک شہر کی تولیت ونگرانی کا اخلاقی، دینی اور وراثتی حق صرف مسلمانوں کو ہے اور بیت المقدس کے ادب واحترام اس کی تعظیم وتوقیر اور خدمت گذاری کے واقعات سے مسلمانوں کی تاریخ تابناک و پرشکوہ ہے۔

جس جائز حق کا غلط استعمال نہیں کیا گیا، اس کو غصب کرنا درست نہیں:

پانچویں: ۶۳۷ء عہد فاروقی میں مسلمانوں نے بیت المقدس پر قبضہ کیا اس دن سے لے کر جب تک عربوں کا شہر قدس پر تسلط رہا کبھی بھی عربوں نے اپنے اقتدار کا غلط استعمال نہیں کیا، زمانہ قدیم سے بیت المقدس میں عرب مسلم عنصر کی غالب اکثریت پائی جاتی تھی اسی بنیاد پر ان کو حق حاصل تھا جیسے چاہیں بیت المقدس کا انتظام وانصرام چلائیں، مگر تاریخ گواہ ہے کہ غالب اکثریت اور کامل اقتدار کے باوجود، عربوں نے کبھی بھی اپنے کا غلط استعمال نہیں کیا، اور جس جائز حق کو صدیوں تک صحیح طریقہ پر استعمال کیا گیا کسی کو شکایت نہیں تھی تو اس حق کو غصب کرنا (جیسا کہ اسرائیلی صہیونیوں نے کیا ہے) جائز نہیں، اسی سبب سے بیت المقدس پر اسلامی حکومت دوبارہ قائم کرنے کے سلسلہ میں کسی قسم کا اختلاف نہیں ہے، اور یہ دعوی کہ فلسطین کبھی بھی بااختیار اسلامی مملکت اور سیاسی وحدت نہیں رہا، جیسا کہ صہیونی گروپ شور مچا رہا ہے، اس حق کو کسی حال میں غصب کرنے کو جائز نہیں کرتا، اسی لئے بیت المقدس صدیوں سے عظیم الشان اسلامی خلافت کا خودمختار مملکت کی حیثیت سے ایک اہم جزء رہا ہے اگرچہ خلیفۃ المسلمین یا

فرمانروائے سلطنت کا دارالحکومت عہد و زمانہ کے تغیرات سے کبھی مدینہ منورہ تھا، تو کبھی کوفہ یا دمشق اور کبھی قاہرہ یا بغداد یا پھر استنبول تھا، ہر عہد خلافت اور دور حکومت میں فلسطین کے باشندوں کو اسلامی سلطنت کے دوسرے تمام باشندوں کی طرح پورے شہری حقوق حاصل تھے۔

باہمی اسلامی زندگی:

چھٹویں: تاریخ سے ثابت شدہ امر ہے کہ دوسری قوموں کے مقابلہ میں مسلمانوں نے ہمیشہ غیر اقوام کے عدل و مساوات کے زیر سایہ خوشگوار زندگی بسر کی ہے، خاص کر اس وقت جب کہ زمام اقتدار مسلمانوں کے ہاتھوں میں رہا، ہم کو خوب معلوم ہے کہ اسلامی حکومت کے تحت، اسلامی مملکت غیر مسلم باشندوں کو حکومت و سلطنت کے اعلیٰ ترین عہدوں پر فائز ہونے کا بھرپور موقع دیا گیا، غیر مسلم باشندوں نے اپنی صلاحیتوں کی بدولت بلند مناصب حاصل کئے اور بغیر کسی دباؤ اور رکاوٹ کے کامل آزادی کے ساتھ مفوضہ ذمہ داریوں کو پورا کرنے کا اختیار حاصل تھا اور اہل کتاب میں سے یہود و نصاریٰ خلافت اسلامیہ کے مختلف ادوار میں اہم ذمہ دارانہ مناصب پر فائز ہوتے رہے، اسی حد تک نہیں بلکہ اسلامی حکومتوں کے زیر سایہ یہود و نصاریٰ کو اپنی مذہبی کتابوں کو لکھنے اور شائع کرنے، مذہبی عقائد و افکار کی دعوت و اشاعت کی بھی مکمل آزادی تھی، کتنے اصحاب قلم یہودی و نصرانی علماء نے دربار خلافت سے وابستہ رہتے ہوئے دینیات اور فلسفہ کے موضوعات پر قابل قدر کام کیا اور سلاطین و امراء کی جانب سے ان کی تحقیقات و تصنیفات کو سراہا گیا، داد و دہش سے نوازا گیا مثال میں موسیٰ بن میمون کو پیش کر سکتے ہیں، یہودی علمی سرمایہ کا سب سے قیمتی ذخیرہ قرآن کریم کی زبان میں ہے۔

مسلمانوں کی رواداری اور اعلیٰ ظرفی تھی کہ انہوں نے غیر مسلم رعایا کے تئیں بغض و کینہ اور حسد و عناد کا مظاہرہ کسی موقع پر نہیں کیا، اور انہوں نے اپنے اخلاق و کردار کا جو مثبت اثر غیروں پر ڈالا اس کو اپنے فضل و کمال کی طرف منسوب کرنے کے بجائے اللہ تعالیٰ کے کرم و فضل کی طرف

منسوب کیا انہوں نے کبھی یہ دعویٰ نہیں کیا کہ وہ اللہ رب العزت کے پسندیدہ اور محبوب ترین گروہ میں جیسا کہ یہودیوں کا دعویٰ ہے: "نحن أبناء الله وأحباءه" مسلمانوں کا ایمان وعقیدہ یہ ہے کہ اللہ کی بارگاہ میں سب سے افضل وہ ہے جو لوگوں میں سے اللہ تعالیٰ سے زیادہ ڈرنے والا ہے، اور اس قول میں کوئی صداقت نہیں کہ عربوں یا دنیا کے دوسرے مسلمانوں کو سامی النسل قوموں کا دشمن گردانا جائے یہ سب بکواسیں اور پروپگنڈے صہیونیوں کے گڑھے ہوئے ہیں جس کو وہ زہریلے خوفناک ہتھیار کے طور پر مسلمانوں اور عربوں کے خلاف استعمال کرتے ہیں یا ہر اس قوم یا فرد کو اس سے ڈراتے ہیں جو صہیونی تحریکوں پر تنقید وتبصرہ کرتا ہے، سچ تو یہ ہے کہ عربوں کی بہت بڑی تعداد سامی النسل حضرت اسماعیل بن ابراہیم علیہما السلام کی ذریت سے ہے۔

اور تاریخ مسلمانوں کے بارے میں شہادت دیتی ہے کہ انہوں نے ہمیشہ بغیر کسی ظلم وزیادتی اور حق تلفی کے غیر اقوام کے ساتھ انصاف ومساوات سے بھرپور باہمی رواداری ومہربانی کی زندگی بسر کی ہے اسی کا تقاضا وحق ہے کہ بیت المقدس کی معاونت وتولیت اس کے سپرد کی جائے۔

اقوام متحدہ کا چارٹر اور حقوق انسانی کا اعلان:

ساتویں: بیت المقدس پر مسلمانوں کے علاوہ کسی دوسری قوم کا اقتدار تسلیم کرنا اقوام متحدہ کے چارٹر اور انسانی حقوق کے اعلامیہ کی بے حرمتی اور خلاف ورزی ہے، یہ سب کو معلوم ہے کہ فلسطین اور شہر قدس کے باشندوں کی اکثریت، صہیونیوں کی دراندازی اور فلسطین کو غصب کرنے تک، عرب قوم تھی اور وہاں کا حاکم اعلیٰ بھی عربی النسل مسلمان تھا۔

میں اپنی بات کے اخیر میں پھر "الوعی الاسلامی" کے مدیر اعلیٰ کا شکریہ ادا کرتا ہوں کہ انہوں نے آپ حضرات کے سامنے بیت المقدس کے مسائل ومشکلات سے متعلق بعض بنیادی اور واضح حقائق کو پیش کرنے کا موقع فراہم کیا جو عناد پرست صہیونیوں کے بے لوچ متعصّبانہ موقف کے سبب ایک بڑا خطرہ بن چکے ہیں۔

اور میں پورے اخلاص کے ساتھ اللہ رب العزت سے امید کرتا ہوں کہ وہ نیک نیت مخلص افراد کو توفیق دے گا کہ عدل وانصاف اور انسانیت کی اساس پر حق کو اس کے مستحقین کو واپس کرانے میں تعاون کریں گے تا کہ موجودہ صورت حال جس لامحدود دینی خطرات سے ڈرا رہی ہے انسانیت اس کا سامنا کرنے سے بچ سکے۔

ذیل میں ان اہم سوالات کے کچھ نمونے پیش خدمت ہیں جو مناقشہ ومباحثہ کمیٹی کے بعض ممبران کی طرف سے کئے گئے اور وہ سب امریکی پارلیمنٹ کانگریس کے رکن بھی تھے، ان سوالات سے قارئین کو اندازہ ہو جائے گا کہ وہ کس قدر تعصب پرست اور جانبدرانہ سوچ رکھتے ہیں اس کے علی الرغم کہ ان سے مخلصانہ حل کی توقع کی جا رہی ہے۔

(س) مسٹر لیسٹر وولف: جناب ڈاکٹر عبدالرؤف اور پوپ ریّان دونوں حضرات فلسطین و بیت المقدس پر فوجی قبضہ کو قابض ریاست کو حکومت کرنے کا قانونی جواز فراہم کرنے والا نہیں مانتے تو پھر کس مشرقی یروشلم پر ۱۹۴۸ء سے ۱۹۶۷ء اردن کے اقتدار کو جائز ٹھہراتے ہیں؟ کیا وہ اقتدار شاہ عبداللہ ہاشمی کی افواج کے فوجی قبضہ کے نتیجہ میں حاصل نہیں ہوا تھا؟

صدر کمیٹی: دکتور عبدالرؤف برائے مہربانی معزز رکن کے اعتراض کا جواب دیں۔

(ج) دکتور عبدالرؤف:

میں ۱۹۴۸ء سے مشرقی بیت المقدس پر، اردن کے اقتدار کو جبریہ قبضہ یا فوجی غصب نہیں مانتا اس لئے کہ یہ اقتدار فلسطین سے ۱۵ رمئی ۱۹۴۸ء کو بریطانوی انتداب کی حکومت کے کامل طور پر ختم ہونے اور ایسے وقت اس کے باشندوں اور بیت المقدس کے لوگوں کو چھوڑ کر چلے جانے کے بعد قائم ہوا تھا جب کہ درندہ صفت صہیونی یہودی تنظیمیں اور جماعتیں بے یارومددگار کنارہ کش فلسطینی قوم کو وہاں سے کھدیڑ کر باہر کر رہی تھیں اور پوری طرح تنظیمی اور عسکری خلا پیدا ہو چکا تھا، اس موقع کو اسرائیل نے غنیمت شمار کرتے ہوئے قدیم بیت المقدس پر بزور قوت قبضہ

کرنے کے ارادے سے سخت حملہ کر دیا تھا جس کو شاہ عبداللہ مرحوم کی فوجوں نے جانبازی سے روکا اور بجائے اس کے کہ اردنی حکومت بیت المقدس کو کسی دوسری حکومت کے زیرِ انتظام کرتی جس کی وجہ سے اسرائیل اس شہر کو غصب کر لیتا، خود اسلامی عربی اردنی حکومت نے بیت المقدس کا انتظام و انصرام اپنے قبضہ میں رکھا کہ جب انتخاب کا وقت آئے گا وہاں کے باشندے اپنی رغبت و خواہش ظاہر کریں گے کہ کس کے ساتھ رہنا چاہتے ہیں۔

(س) مسٹر وولف: اور اس طرح اردن نے قدیم بیت المقدس پر فوج کے ذریعہ قبضہ کر لیا؟

(ج) دکتور عبدالرؤف: مسٹر وولف! کیا آپ اس کو فوجی قبضہ کہہ رہے ہیں؟

(س) مسٹر وولف: میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ بیت المقدس کے مشرقی حصہ پر اسرائیلی اقتدار سے جو موجودہ صورت حال پائی جا رہی ہے بعینہ یہی حالت اس وقت تھی جب وہ اردن کے ماتحت تھا اور دونوں وقت جو حالات پیدا ہوئے وہ فوجی قبضہ کے نتیجہ میں پیدا ہوئے، لہٰذا فلسطین کو تقسیم کرنے کی اقوام متحدہ کی قرارداد نے بیت المقدس کے مشرقی جزء کو اردن کے حوالہ نہیں کیا، کیا یہ صحیح نہیں ہے؟

(ج) دکتور عبدالرؤف: تو کیا تقسیم کی قرارداد نے اسرائیل کو شہر کا دوسرا حصہ دے دیا ہے جس کو اس نے غصب کر لیا ہے؟

مسٹر وولف: میں مطلقاً اس پر مناقشہ نہیں کر رہا ہوں بلکہ میں مشرقی بیت المقدس پر قبضہ کے بارے میں بات کر رہا ہوں۔

(ج) دکتور عبدالرؤف: مناسب یہ ہوگا کہ موضوع سے متعلق عام قرائن کے سیاق میں اس کو دیکھا جائے، ایسا نہ ہو کہ اس کو مسئلہ فلسطین اور اسرائیلی غارتگری و زیادتی کے پس منظر سے الگ ایک جزوی مسئلہ کی حیثیت سے مناقشہ اور بحث کی جائے۔

(س) مسٹر وولف: ہم فی الوقت بیت المقدس اور فوجی قبضہ کے سلسلہ میں بات

کرر ہے ہیں، میں یا آپ جیسے لوگ، فلسطین و بیت المقدس یا کسی دوسرے علاقہ پر فوجی دراندازی اور قبضہ کی موافقت نہیں کر سکتے لیکن یہ بھی لازم ہے موضوع سے متعلق تمام عناصر کو بحث میں شامل کریں اور ان عناصر میں سے ایک یہ ہے کہ اردن کی حکومت نے پرانے بیت المقدس کو تقسیم کرنے کے منصوبہ میں شامل نہیں کیا اور اس پر جبریہ فوجی قبضہ کرر کھا ہے؟ یہ وہ سوال ہے جس کے جواب کی امید کرتا ہوں؟

(ج) دکتور عبد الرؤوف: مسٹر وولف! مناسب ہوگا کہ ہم یہ تسلیم کرلیں کہ بیت المقدس کے لوگوں نے اسلامی عربی اردنی تسلط کو خوش آمدید کہتے ہوئے اس کو پوری رغبت ورضامندی سے قبول کیا ہے۔

(س) مسٹر وولف: دوسرے معنی میں آپ نے اس وقت (۱۹۴۸ء میں) یروشلم کے مشرقی حصہ پر اردن کے قبضہ کے خلاف احتجاج نہیں کیا، لیکن آج اس پر اسرائیلی قبضہ کے خلاف احتجاج کرر ہے ہیں؟

(ج) دکتور عبد الرؤوف: یقینی مجھ کو بیت المقدس پر اردن کی اتھارٹی پر مجھ کو کوئی اعتراض نہیں ہے کیونکہ یہ اقتدار وہاں کے باشندوں کی رضامندی سے تھا اس لئے کہ اردنی عوام بھی بہت بڑی عربی قوم کا جزء ہیں، لہذا شہر پر ان کی حکومت حقیقت میں غیر ملکی قبضہ نہیں تھا بلکہ وہ حکومت واقتدار میں ان کے ساتھ شریک ہوئے تھے، یہی میرا عقیدہ ہے، اور شہر قدس کے باشندوں کو اردن کے قبضہ اقتدار کے زمانہ میں اس طرح کے حالات کا سامنا نہیں کرنا پڑا جیسا کہ اسرائیلی قبضہ کے بعد قتل وغارتگری خونریزی وجلاوطنی اور جائداد واملاک کے ضبط کرنے اور دینی شعائر کی بے حرمتی جیسے واقعات سے دوچار ہونا پڑ رہا ہے۔

مسٹر جوناذن بنجم:

اس سال (۱۹۷۱ء) مجھ کو اسرائیل کے سفر وسیاحت کا موقع ملا تھا اور میں نے وہاں

ترقیاتی کاموں کا مشاہدہ کیا اور میں نے محسوس کیا کہ وہاں حالات بہت حد تک پر امن ہیں میں نے جن جن جگہوں کا دورہ کیا اور جن مقامات پر گیا وہاں نہ کسی پولیس کو دیکھا اور نہ ہی اسرائیلی فوجیوں کو تعینات پایا جیسے رام اللہ گیا، بیت اللحم کو دیکھا میں نے وہاں بہت سے عیسائی سیاحوں اور زائرین سے باتیں کیں، جو کہ اسرائیلی حکومت کے حمایتی نہیں تھے لیکن ان سب نے کسی قسم کے تعصب ہٹ دھرمی کی شکایت نہیں کی جس کے بارے میں اقوام متحدہ سے متعلق اور اس کی تابع تنظیمیں بیان کرتی ہیں، اور یہ بتایا گیا کہ مقبوضہ فلسطین کے باشندوں کو کسی قسم کے دباؤ یا تعصب یا جبر وقہر کا سامنا نہیں کرنا پڑتا۔

دکتور عبد الرؤوف: میں جناب صدر سے امید کرتا ہوں کہ مجھ کو معزز ممبر مسٹر جوناذن سے سوال کرنے کی اجازت دیں گے؟

صدر اجلاس: کمیٹی کے کسی ممبر سے سوال کرنے کی اجازت نہیں دی جاسکتی، اس لئے کہ طے ہو چکا ہے کہ ہم آپ کے نقطہ نظر کی سماعت کریں گے اور سوالات کئے جائیں گے تو جوابات سنیں گے البتہ یہ اجازت ہے کہ کہی ہوئی کسی بات پر اپنی جانب سے تعلیق کر سکتے ہیں۔

دکتور عبد الرؤوف:

معزز ممبر نے فرمایا کہ وہ اس سال بہت اچھے تاثرات کے ساتھ اسرائیل کی زیارت کی ہے، انہوں نے دعوی کیا کہ امن وامان تیزی سے بحال ہو رہا ہے اور حالات میں ٹھہراؤ پایا جاتا ہے، اور وہاں مسیحی سیاحوں کے درمیان مسرت اور پسندیدگی کی کیفیت پائی جاتی ہے۔

میں محترم ممبر سے یہ پوچھتا ہوں کہ کیا ان کا سفر مختصر تھا اور اپنے فوری تاثرات واحساسات کے ساتھ اسرائیل سے واپس لوٹ آئے، اگر طویل مدت تک اسرائیل میں ان کا قیام رہتا اور حالات کا بنظر غائر مشاہدہ کرتے تو ممکن تھا کہ ان بیان کردہ تاثرات کے برعکس ان کے خیالات بدلے ہوتے۔

اور کیا معزز ممبر کا یہ سفر ایک عام شہری کی طرح تھا کہ جس شخص سے چاہتے ملاقات کرتے باتیں کرتے اور معلومات حاصل کرتے ، یا امریکی کانگریس کے ایک بڑے اور اہم رکن کی حیثیت سے تھا ان کا ساتھ اسرائیلی حکومت کا کوئی نمائندہ اور ترجمان ہوتا تھا جو ان کا تمام پروگرام مرتب کرتا تھا کہ کہاں کہاں جانا ہے کیا دیکھنا اور کن سے ملنا ہے، بہرحال شاہ حسین سے مل کر ان کا یہ کہنا کہ اگر وہ اسرائیل کی درخواست مان لیتے تو ۱۹۶۷ء کی اسرائیل و مصر جنگ سے خود کو بچا لیتے اس طرح پرانی صورتحال اسی طرح برقرار رہتی مشرقی بیت المقدس اردن کے قبضہ میں رہتا تو میں کہوں گا کہ میرے نزدیک اس کی کوئی حیثیت نہیں ہے،اس لئے کہ اسرائیل کی اردن سے جنگ سے دور رہنے کی اپیل کرنا، اگر یہ صحیح ہو تو ایک جنگی چال تھی، اس کے پس پردہ اسرائیل مصری افواج کو ختم کرنے کا موقع چاہتا تھا، جب یہ مقصد پورا ہو جاتا تو اس کا رخ شاہ حسین اور ان کی افواج کو ختم کرنے کے لئے اردن کی طرف ہو جاتا۔

مسٹر سیمون ہالبیرون:

میں اب دکتور عبد الرؤوف سے سوال کرنا چاہوں گا کہ آپ نے چند اسباب کا ذکر کر کے اس پر اپنی رائے کا اظہار یوں کیا کہ بیت المقدس کو ان اسباب کے تحت عرب انتظامیہ کے حوالہ کرنا ضروری ہے، اس لئے کہ دین اسلام نے یہودیت و مسیحیت اور ان کے مقدس مقامات کے سلسلہ میں زیادہ فراخدلی اور رواداری کا مظاہرہ کیا ہے،تو پھر اس بات کو صحیح کہیں گے کہ میں نے اردن کی حکومت سے ۱۹۶۰ء میں دیوار گریہ کی زیارت کے لئے ویزا مانگا تھا مگر اردن نے میری درخواست کو نامنظور کر دیا حالانکہ میں امریکی کانگریس کا ممبر تھا پھر بھی درخواست رد کرنے کی ایک یہی وجہ سمجھ میں آئی کہ میں یہودی ہوں اور آپ کہتے ہیں کہ اسلامی حکومت رواداری کا معاملہ کرتی ہے جب کہ میرے ساتھ ذلت آمیز سلوک کیا گیا۔

ڈاکٹر عبدالرؤوف:

مسٹر سیمون! اسی اجلاس میں ذکر ہو چکا ہے کہ بیت المقدس پر اردنی حکومت کے انیس سالہ اقتدار کے دوران یہودیوں کو ان کے مقدس مقامات کی زیارت کی اجازت نہیں دی گئی، بلکہ یہ بھی بتایا گیا ہے کہ اسرائیل کے اندر رہنے والے مسلمانوں کو بھی ان کے مقدس مقامات کی زیارت کی اجازت اس مدت میں نہیں دی گئی، ذکر ہو چکا ہے کہ یہ پابندی ہر یہودی (اسرائیلی) کے لئے تھے، پھر خاص طور پر آپ کا یہ کہنا کہ میں مذہباً یہودی تھا اس لئے ویزا نہیں دیا گیا، یہ غلط ہے۔

میں مباحثہ کے شروع ہی میں یہ عرض کردوں کہ بیت المقدس کی صورت حال اور اس کے مستقبل کے بارے میں ایک مسلمان کی حیثیت سے اپنا نقطہ نظر پیش کروں گا، میں کسی معاصر اسلامی یا عربی حکومت کی اختیار کردہ کارروائیوں کا دفاع نہیں کروں گا، اور یہ بھی ضروری ہے کہ اجلاس میں موضوع کے پس منظر اور قرائن سے ہٹ کر کسی جزئیہ پر بحث نہ کی جائے جب کہ مذکورہ کارروائیوں کا پس منظر یہ ہے کہ اسرائیل اور اردن دونوں حالت جنگ میں تھے۔

مسٹر ہالبیرن:

کیا اردن ۱۹۶۰ء میں اسرائیل سے برسر پیکار تھا؟

ڈاکٹر عبدالرؤوف:

جی ہاں، اردن اسی اسرائیل سے حالت جنگ میں تھا جس نے فلسطینی علاقوں کو غصب کرلیا، بندگان خدا کا نماز برباد کیا، خونریزی کی، پاکیزہ عورتوں کی عصمت دری کی، عزتوں کو لوٹا، مال و دولت کو لوٹا، پیہم ظلم و استبداد روا رکھا، اردن کے شہروں اور دیہاتوں پر غارتگری کا سلسلہ جاری رکھا، نافذ العمل جنگ بندی کے باوجود یہ سب کارروائیاں جاری تھیں۔

ہر ذی شعور انسان قبول کرتا ہے کہ ایسی حالت میں اسلامی مملکت کو حق حاصل ہے کہ

اپنی حفاظت اور بقائے امن کے لئے جو ضروری سمجھے کارروائی کرے اور سخت قانون نافذ کرے اور ایسے مشتبہ افراد کو ملک میں داخل ہونے سے روکے جن کے بارے میں جاسوسی کرنے یا ملکی مفاد کے خلاف کام کرنے کا شبہ ہو، خواہ وہ کہیں کا ہو کسی بھی دین و مذہب سے اس کا تعلق ہو۔

میں یہ بھی عرض کرتا ہوں کہ اسرائیل کے قیام کے بعد اقوام متحدہ نے جو مصالحتی کمیٹی تشکیل دی تھی اس نے اسرائیل واردن دونوں سے کہا تھا دونوں جگہ کے مقدس مقامات کی زیارت کے لئے اردن کے باشندوں کو اسرائیل میں اور اسرائیل کے باشندوں کو اردن میں آنے جانے کی اجازت دی جائے اردن میں اس کو مان لیا گیا مگر اسرائیل نے قبول نہیں کیا جس سبب اردن نے بھی پابندی عائد کردی اور معاملہ برابری کا ہوگیا، آپ ہی بتایئے کہ اگر کسی اسرائیلی باشندے کو اردن میں مقدس مقامات کی اجازت نہیں دی گئی تو کیا اسرائیل نے کسی اردنی باشندہ کو اسرائیل کے اندر مقدس مقامات کی زیارت کی اجازت دی ہے؟

اور یہ کہنا کہ اردن میں تمام یہودی افراد کے لئے آنے کی اجازت تھی خواہ کسی ملک کا رہنے والا ہو، صحیح نہیں ہے، میرے کئی یہودی دوست ہیں بعض نے مجھے بتایا کہ اس نے اردنی حکومت کے تابع دیوار گریہ کی زیارت کی، میں ایک بار پھر اس تاریخی حقیقت کا اعادہ کروں گا کہ تنہا اسلامی حکومت ہے جس نے صدیوں سے جاری پابندی کو ختم کر کے یہودیوں کو بیت المقدس میں داخل ہونے وہاں رہنے اور آزادی کے ساتھ عبادت کرنے کا حق دیا ہے، اس رواداری، فراخدلی کا اسرائیلی تعصب اور اسلامی مقدس مقامات کی بے حرمتی سے کیا جوڑ ہوسکتا ہے، "کل إناء يترشح بما فيه"۔

مسٹر ہالیبرون:

یعنی آپ اس اجلاس میں بیت المقدس سمیت تمام اسلامی مقدس مقامات کو اسلامی حکومت کے زیر انتظام واپس دینے کا مطالبہ کر رہے ہیں، یہی آپ کا موقف اور نقطہ نظر کا

خلاصہ ہے؟

دکتور عبدالرؤوف: طبعی طور پر یہی مطالبہ ہے۔

مسٹر ہال بیرن:

آپ کیسے ضمانت دے سکتے ہیں کہ اسرائیلی قبضہ سے قبل جو واقعات پیش آئے، وہ بیت المقدس کی واپسی کے بعد دوبارہ نہیں پیش آئیں گے (ان کا اشارہ یہودیوں کے اس پروپیگنڈہ کی طرف تھا کہ اردن نے یہودیوں کو دیوار گریہ کی زیارت سے روک دیا ہے اور یہودیوں کے قبرستان کو توڑا پھوڑا گیا ہے اور پرانے بیت المقدس میں یہودیوں کے معبدوں کو نقصان پہنچایا گیا ہے) لہذا اس جیسے حادثات دوبارہ نہ پیش آنے کی آپ کے پاس کیا گارنٹی ہے اور پرانے بیت المقدس کی انتظامیہ آئندہ انصاف پسند روادار ہوگی۔

دکتور عبدالرؤوف:

اصولی بات ہے کہ جب غصب کیے گئے تمام حقوق اور املاک اس کے اصل وارثوں اور حق داروں کو لوٹا دی جائے گی اور یہودی، عیسائی اور مسلمان سب عدل وانصاف اور مساوات کی اساس پر خوشگوار زندگی گذارنے کا فیصلہ کرلیں گے تو فطری طور پر امن وامان اور عدل وانصاف کا ماحول بن جائے گا، اس لئے پوری امید ہے کہ نفرت وتعصب اور ناپسندیدگی کے شعلے آہستہ آہستہ سرد پڑتے جائیں گے، گذشتہ زیادتیوں کو فراموش کردیا جائے گا، اور شکوک وشبہات، خوف ودہشت کی کیفیات زائل ہوجائیں گی اور تمام کام حسب سابق اچھے انداز میں ہونے لگیں گے یہی حالت اس مذہبی رواداری کی گارنٹی ہے جس کی آرزو کی جارہی ہے۔

نوٹ: یہ مقالہ مجلّہ ''الوعی الاسلامی'' شمارہ ۹۱، ۹۲، ۱۳ء۔

فلسطین کیسے برباد ہوا؟ اس کی موجودہ حالت کیا ہے؟ اوراس کا مستقبل کیسا ہے؟

دکتور علی محمد جریشہ

فلسطین کی بربادی کو بعض مورخین، سوئزرلینڈ کے پال شہر میں انعقاد پذیر پہلی صہیونی کانفرنس ۱۸۹۷ء سے جوڑ کر دیکھتے ہیں، ٹیوڈر ہرتزل (Theodore Herzl) کی قیادت میں منعقد ہونے والی اس کانفرنس میں متفقہ قرارداد کے ذریعہ فلسطین کو یہودیوں کا قومی وطن بنانے کا فیصلہ کیا گیا تھا، اوراس فیصلہ کو لازمی طور پر نافذ کرنے کے لئے پلاننگ کی گئی تھی، جس کی دو اہم لائنیں متعین کی گئیں:

پہلا خط (لائن): دنیا کے ہر خطہ اور علاقہ سے یہودیوں کو فلسطین کی طرف ہجرت کرنے اور وہاں مستقلاً آباد ہونے پر تیار کرنا۔

دوسرا خط (لائن) عالمی جواز (بین الاقوامی سطح پر تسلیم کئے جانے) کی جستجو کرنا جو فلسطین کے غصب کو قانونی سند فراہم کرے یا اس سے صرف نظر کرے، فی عالمی قوت پر توجہ دی جائے جو بزور طاقت اور قانون دونوں طرح سے اس غصب کی حمایت کرے۔

عظیم تر اسرائیل کے قیام کے لئے اس منصوبہ بندی کے ساتھ ساتھ یہودی وطنی بینک قائم ہوئے اور اسی کے ساتھ بہت سی یہودی جمعیتیں اور تنظیمیں بن گئیں جن کا کام یہودیوں میں صہیونیت کی روح پھونکنا تھا، یہ پہلے لائحہ عمل کو نافذ کرنے کی تیاری تھی، کثیر تعداد میں ہر جگہ سے

یہودیوں کی نقل مکانی اعلان شدہ پروگرام کے تحت شروع ہوگئی، اس کی ابتداء چند ہزار سے ہو کر تیس لاکھ افراد پر ختم ہوئی۔

بطور مثال یہ تفصیل ملاحظہ ہو کہ بیت المقدس میں یہودی باشندوں کی تعداد ۱۱۷۰ء (بارہویں صدی عیسوی) میں صرف ایک یہودی کی تھی، جو ۱۷۵۰ء میں ۱۵۰ ہوگئی اور ۱۹۷۷ء یہ تعداد ایک لاکھ بیالیس ہزار یہودی تک پہنچ گئی۔

اور فلسطین میں اراضی کا حصول اس کے باشندوں کو مال ودولت کی ترغیب سے شروع ہوا، پھر دوسرے مراحل میں جبریہ ڈرا دھمکا کر اصل باشندوں کی زمینوں کو چھیننے کا سلسلہ چل پڑا۔

ایک واضح پروگرام کے تحت زبردستی ہڑپ کی گئیں اراضی کے گراف کا اندازہ حسب ذیل پیمائش سے کیا جا سکتا ہے۔

بیسویں صدی کی دوسری دہائی میں وقفہ وقفہ سے زبردستی چھینی گئی زمین ۱۷,۴۹۷ ورگ میٹر تھی اور ۱۹۲۳ء سے ۱۹۲۶ء کے دوران تجاوز کر کے ۶,۱۲۴ ۱۷ ورگ میٹر تک پہنچ گئی۔

☆ تیسری دہائی میں وقفہ وقفہ سے جبریہ ہڑپ کی گئی زمین ۱۹۲۲ء تک ۱۸,۸۹۳ ورگ میٹر تھی اور ۱۹۲۶ء میں ۶,۹۱۳ ورگ میٹر تک پہنچ گئی اور ۱۹۳۲ء تک ۶۷,۱۱۴ ورگ میٹر تک ہوگئی۔

☆ چوتھی دہائی میں اور ۹۴۶ ۱ء کے اخیر میں، بریطانیہ کی حکومت نے ان اراضی کا اندازہ لگایا جو یہودیوں کی ملکیت میں پہنچ چکی تھیں تو ان کی مساحت ۱,۶۲۴,۰۰۰ ورگ میٹر تھی اور اس کے باوجود یہ فلسطین کی کل مساحت ۷٪ فیصد تھی۔

☆ اور ۱۹۶۷ء میں اسرائیل پورے فلسطین اور اس سے کئی گنا زیادہ اراضی کا مالک بن گیا۔

اور منصوبے کے دوسرے حصہ (Line) کی تکمیل کے لئے پہلی قانونی کوشش، عثمانی

سلطنت سے رابطہ سلطان عبدالحمید ثانی سے ملاقات تھی کچھ لوگوں کا کہنا ہے کہ سلطان عبدالحمید سے خود ٹیوڈر ہرتزل نے ملاقات کر کے صہیونی ریاست کا مطالبہ کیا تھا، جب کہ کچھ مورخین کہتے ہیں کہ ٹیوڈر ہرتزل نے سلطان کی خدمت میں تین رکنی وفد بھیجا تھا۔

(۱) مزراجی قرصوا (سالانیک میں یہودیوں کا لیڈر)

(۲، ۳) جاک-لیون (یہ دونوں بھی یہودیوں کے بڑے لیڈروں میں تھے)۔

اس سہ رکنی وفد نے ترکی وزیر اعظم تحسین پاشا کی موجودگی میں سلطان عبدالحمید ثانی سے ملاقات کر کے یہودی کی جانب سے پیش کش کہ:

۱- یہودی قوم، عثمانی خلافت کے ذمہ واجب الاداء ۱۳۳ ملین انگلش پاؤنڈ کی رقم ادا کرنے کو تیار ہے۔

۲- ۱۲۰ ملین فرانسیسی فرنک کے کثیر سرمایہ سے عثمانی خلافت کی حفاظت کے واسطے بحری بیڑہ تیار کرنے پر راضی ہے۔

۳- عثمانی سلطنت کو شدید مالی بحران سے نکلنے اور ترکی معیشت اور اقتصادی حالت کو مستحکم کرنے کے لئے بلاسود ۳۵ ملین سونے کا لیرہ قرض دیا جائے گا اس پیش کش کے بدلہ میں یہود قوم صرف یہ چاہتی ہے کہ یہودیوں کو فلسطین و بیت المقدس میں مذہبی مقامات کی زیارت کے لئے سال بھر میں جب چاہیں، داخلہ کی عام اجازت دیدی جائے۔

دوسرا مطالبہ یہ ہے کہ بیت المقدس کے جوار میں یہودی نو آبادی تعمیر کرنے کی اجازت دی جائے۔

غیرت مند سلطان عبدالحمید نے اس سنہری پیش کش کو حقارت سے ٹھکرا دیا یہاں تک کہ انہوں نے انتہائی نفرت سے وفد کے لیڈر قرصوہ کے چہرہ پر تھوک دیا تھا اور کہا کہ میں ارض مقدس کی دھول بھی تم کو نہیں دے سکتا۔

بغیر قوم کی زمین سے بلا زمین کی قوم (اسرائیل زانگویل) تک:

سامراجی حمایت اور عالمی جواز کے حصول کی دوسری صہیونی کوشش برطانیہ عظمی کے راستے سے شروع ہوئی، ہوا یوں کہ پہلی اور دوسری عالمی جنگ میں یہودی صہیونی جماعتوں نے برطانوی فوج کی حمایت میں جنگ میں حصہ زبردست طریقہ سے حصہ لیا، یہ شرکت ایک منصوبے کا جزو تھا کہ یہودیوں کو برطانیہ کی تائید وحمایت حاصل ہو جائے جنگ عظیم اول اور دوم میں اسی شرکت کے نتیجہ میں ٹیوڈر ہرٹزل اور برطانوی مفکر وایزمان کے درمیان گہرے تعلقات استوار ہوئے جس سے ہرٹزل نے خوب خوب فائدہ اٹھایا۔

اور اس وقت میں جب کہ برطانیہ نے حاکم حجاز شریف مکہ سے عرب ریاستوں کو آزادی دینے کا پر فریب وعدہ کر رکھا تھا اور اسلامی عربی خلافت قائم کر کے مکہ مکرمہ یا مدینہ منورہ کے کسی اصل باشندہ کو خلیفہ بنانے سبز باغ دکھایا تھا۔ٹھیک انہیں دنوں دوسری طرف برطانیہ کے یہودیوں سے گہرے تعلقات قائم تھے اور ان پر خاص نوازشات کا سلسلہ جاری تھا، اور روس، انگلینڈ اور فرانس کے درمیان مارچ ۱۹۱۶ء میں دو اہم سیاسی معاہدے ہوئے، پھر مئی ۱۹۱۶ء میں برطانیہ وفرانس کے مابین سائیکس بیکو معاہدہ ہوا اور اس میں فلسطین کو عالمی حکومت کے تحت رکھنے کا فیصلہ کیا گیا جس میں یہودی قوم تمدنی، دینی اور سیاسی مساوات کے ساتھ رہے گی۔

امیر مکہ مکرمہ شریف حسین جن کو برطانیہ پر بہت اعتماد تھا اور اس کی دوستی پر اندھا یقین رکھتے تھے ان کو اس معاہدہ سائیکس بیکو کی بھنک تک نہ لگ سکی، اور جب چھ ماہ بعد روس میں بالشویک انقلاب کی کامیابی کا اعلان ہوا تب ان معاہدات کا بھی اعلان کیا گیا اس وقت شریف حسین کو علم ہوا کہ اندر اندر روس برطانیہ اور فرانس نے کیا کیا گل کھلائے ہیں۔

اور ۲ رنومبر ۱۹۱۷ء کو برطانوی وزیر خارجہ لارڈ آرتھر جیمس بالفور نے درج ذیل تصریح جاری کی (جو Balfour Declarlion یعنی وعدہ بالفور سے مشہور ہے) جس کا متن ہے:

شہنشاہ معظم یہودی قوم کے لئے قومی وطن کے قیام کی اہمیت وضرورت کو لطف وکرم کی نظر سے دیکھتے ہیں لہذا ہم اس غرض وغایت کے حصول کو آسان بنانے کی پوری کوشش کریں گے اس شرط کے ساتھ کہ واضح طور پر ہر شخص جان لے کہ فلسطین میں آباد غیر یہودی جماعتوں، قوموں کے دینی، تہذیبی حقوق پر کسی قسم کی آنچ نہیں آنے پائے گی، نیز دوسرے شہروں میں آباد یہودیوں کو جو سیاسی آزادی اور حقوق حاصل ہیں ان کو بھی کسی طرح کا نقصان نہ پہنچنے پائے۔

اس طرح ایک شخص نے مالک نہ ہوکر فلسطین کی سرزمین غیر مستحق کے سپرد کردی اسی کو ''اعطى من لا يملك إلى من لا يستحق'' کا مقولہ راجح ہوگیا۔ بریطانیہ کی حمایت سے مذکورہ تصریح کی تکمیل ہوگئی صہیونیوں نے بریطانیہ کی اس حمایت وتائید کو ارض فلسطین میں اسرائیل ریاست کے قیام کے لئے تصدیق اور سرکاری توثیق سے تعبیر کیا، اور یہ سب کچھ یہودیوں کی نقل مکانی کرنے اور فلسطین میں اراضی وجائداد خریدنے سے شروع ہوا، وعدہ بالفور کی سرکاری طور پر بریطانیہ وفرانس نے فروری ۱۹۱۸ء میں موافقت کی اور امریکا نے اکتوبر ۱۹۱۸ء میں اس پر مہر تصدیق ثبت کی۔

اور فلسطین کو برطانوی انتداب میں لینے کا اعلان پھر اس کو مشرقی اردن اور عراق کے ساتھ ملاکر بریطانیہ میں ضم کرنا، اس سازش کا تتمہ تھا، اس وقت حاکم مکہ شریف حسین اور دوسرے عرب حکمرانوں کو معلوم ہوا کہ فلسطین یہودیوں کے سپرد کردیا گیا ہے اور عربوں کو برطانیہ اور اس کے حلیفوں کے درمیان تقسیم کردیا گیا۔

اور تیسری وآخری کوشش کی کامیابی اس وقت ہوئی جب ۱۵رمئی ۱۹۴۸ء کو بریطانیہ، فرانس، روس اور امریکا کی حمایت سے اسرائیل نامی یہودی ریاست کا اعلان کردیا گیا۔

اس سے پہلے اہم ترین منصوبہ پر بین الاقوامی برادری کی جانب سے تائید وحمایت ہوچکی تھی کہ فلسطین کو تقسیم کردیا جائے آخرکار اقوام متحدہ نے ۲۹رنومبر ۱۹۴۷ء کو تقسیم کی قرارداد

جاری کردی اس کے چھ ماہ بعد اسرائیل کے قیام کا باضابطہ اعلان کردیا گیا۔ اس طرح ایک اسلامی علاقہ فلسطین ضائع ہوگیا۔

فلسطین کی بربادی کی داستان کا یہ حصہ بعض حضرات کے نزدیک ۱۸۹۷ء پازل صہیونی کانفرنس سے شروع ہوکر ۱۵ رمئی ۱۹۴۸ء میں اسرائیل کے قیام اعلان پر ختم ہوتا ہے۔

قدیم ترین تاریخ:

لیکن ہم ان محققین ومورخین کے ساتھ نہیں جو یہودی ریاست کے قیام کی سازش اور کوشش کو ٹیوڈر ہرٹزل کی تحریک سے دوسو سال قبل سے زیادہ عرصہ سے مانتے ہیں جس وقت پراگ (Parag) کے یہودی رہنما حاخام لیفا (۱۵۲۰ء-۱۶۰۹ء) نے فلسطین کو یہودیوں کا دینی وقومی وطن بنانے کی دعوت دی۔

حاخام لیفا کے بعد، مورس ہس (۱۸۱۲ء-۱۸۷۵ء) سامنے آیا، ابتداءً اس نے خودکو سیکولر مزاج لیڈر کے طور پر پیش کیا، پھر کارل مارکس کے کمیونزم نظریات سے متاثر ہوکر مارکسٹ بن گیا لیکن بہت جلد وہ مارکسزم سے کنارہ کش ہوگیا اور انتہا پسند یہودی رہنما کی شکل میں یہودیت کا پرچارک بن گیا، ۱۸۶۲ء میں اس نے ''روم اور یروشلم'' نامی کتاب شائع کی جس کو صہیونیت کے افکار نظر پر مشتمل پہلی کتاب کہا جاتا ہے، مورس ہس نے کہا یہودیوں کو انجام کار دنیا کو بدلنے کا فریضہ تفویض کیا گیا ہے۔

اور لیو پنسکر (Leo Piwsker) (۱۸۲۱ء-۱۸۹۱ء) کی لیڈر شپ میں منظم طریقہ پر صہیونیت شروع ہوا اور ''احباء صہیون'' نامی تحریک وجود میں آئی اور انیسویں صدی کے آٹھویں اور نویں دہائی میں متعدد مدارس ومراکز کے ذریعہ صہیونیت کے عقیدہ میں لوگوں کو ڈھالنے کا کام جاری ہوا۔

عملی صہیونیت:

صہیونیت کو عملاً نافذ کرنے والوں میں سرفہرست ڈیوڈ عوردون (Aaron David) (۱۸۵۶ء-۱۹۲۲ء) کا نام آتا ہے جس میں ''احیاء صہیون'' تحریک کو نئے سرے زندہ اور متحرک کیا اس کا کام عملی طور پر ارض فلسطین میں یہودیوں کے لئے بستیاں اور نوآبادیاں بسانے کا تھا جن میں مہاجر یہودیوں کو آباد کیا جاتا تھا۔

سیاسی صہیونیت:

سیاسی صہیونیت شروع میں مشرقی یورپ میں لیوبنسکر کی قیادت وسربراہی کا کام کرتی تھی جس کی سرپرستی ٹیوڈر ہرٹزل (Thedore Herzl) (۱۸۶۰ء-۱۹۰۴ء) کرتا تھا ہرٹزل ہنگری کا رہنے والا ایک یہودی جرنلسٹ تھا۔

کہا جاتا ہے کہ لیوبنسکر اور ٹیوڈر ہرٹزل شروع شروع میں فلسطین کو یہودیوں کا قومی وطن نہیں بنانا چاہتے تھے، ہرٹزل ارجنٹائنا، قبرص اور صحراء سینا میں سے کسی ایک کو یہودی ریاست بنانا چاہتا تھا لیکن وہ صہیونی کانفرنسوں کے انعقاد کے بعد فلسطین کو قومی وطن بنانے کا حامی ہوگیا۔

ہمارے اس نظریہ اور قول کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ ہرٹزل برطانوی لیڈروں سے گفتگو کے دوران فلسطین کے بجائے صحرا سینا کو ترجیح دے رہا تھا کیونکہ اس کی بات چیت کا اختتام صحرا سینا میں ماہرین عمرانیات کو بھیجنے پر رضامندی سے ہوا تھا جن کا کام یہ تھا کہ وہ سیناء کے بارے میں تحقیق کریں کہ کس حد تک آب وہوا اور صلاحیت کے اعتبار سے یہودیوں کا قومی وطن بنانے کے لائق ہے لیکن وہ دوسرے پہلو سے قابل ترجیح اس لئے تھا کہ فلسطین سے ملا ہوا تھا اور یہودیوں کے نزدیک اس کا تقدس واحترام فلسطین سے کس طرح کم نہیں اس لئے کہ صحراء سینا میں ہی اللہ تعالی نے حضرت موسی علیہ السلام سے بات کی تھی اور اس میں قیام کے زمانہ میں تورات کی

لکھی تختیاں دی گئی تھیں اور دس وصیتیں نازل ہوئی تھیں پھر توسیع پسند اسرائیلی ریاست کو طبعی طور پر وسعت دینے کا اس میں موقع بھی تھا جیسا کہ یہودیوں کے توسیعی عزائم اور خواہش ان کے مشہور جملے سے ظاہر ہے۔

"من الفرات إلى النيل ملكك يا إسرائيل" (فرات سے نیل تک کا علاقہ تیرا ملک ہے اے اسرائیل)۔

ثقافتی صہیونیت:

۱۸۵۶ء سے ۱۹۲۷ء تک کا دور سیاسی صہونیت کا ایک حصہ تھا صہونیت کے ثقافتی بازو کا اعلان ہے کہ یہودی قوم اپنے بنیادی فضائل اور خصوصیات میں سب سے زیادہ باکمال انسان ہیں۔

اور ہم دیکھتے ہیں فلسطین میں اسلامی وطن کو لوٹنے کے مراحل مندرجہ ذیل طریقہ پر طے ہوئے یہاں تک کہ یہودی ریاست بنادی گئی:

۱- سولہویں صدی عیسوی سے پہلے یہودی ریاست محض ایک "امید" تھی جس کی صراحت نہیں کی گئی تھی۔

۲- سولہویں صدی عیسوی سے فلسطین میں یہودی ریاست بنانے کی فکر اور دعوت کا مرحلہ شروع ہوا۔

۳- انیسوی صدی عیسوی میں پلاننگ ہونے لگی کہ کس طرح یہودی مملکت بنائی جائے۔

۴- بیسویں صدی عیسوی میں اسی پلان کو نافذ کر دیا گیا اور نومبر ۱۹۴۸ء کو ارض فلسطین پر ناجائز یہودی ریاست "اسرائیل" کے نام سے قائم کر دی گئی اس بات کے ذکر کی کوئی ضرورت نہیں کہ تاریخی اعتبار سے ارض فلسطین پر یہودیوں کا کوئی حق نہیں ہے کیونکہ وہ ۱۵ ہجری

خلیفہ دوم عمر فاروق کے عہد زریں سے باضابطہ اسلامی خلافت کا جزء اور اسلامی سرزمین ہے، یہی نہیں بلکہ فلسطین وقدس، اس تاریخ سے پہلے ہی سے عربی سرزمین ہیں اور پانچ ہزار سال قبل ہی سے وہاں عرب نسل کے لوگ آباد چلے آرہے ہیں، اور یہودیوں کی آبادی کی عمر مجموعی طور پر وہاں کے ریکارڈ میں ایک سو چالیس سال سے زیادہ نہیں ہے اور یہ بھی دو فترہ (خالی دور) میں پہلا دور ایک ہزار سال قبل مسیح سے ۹۲۷ ق م تک کل ۶۳ سال کا عرصہ اور دوسرا دور ۱۳۲ ق م سے ۵۷ ق م تک کل ۷۵ سال کا عرصہ یعنی مجموعی طور پر ۱۴۰ سال یہاں یہودی آباد رہے، ورنہ ان کو ہمیشہ بیت المقدس وفلسطین سے مختلف بادشاہوں نے باہر نکالا اور ہلاک وبرباد کرنے کے ساتھ غلام وباندی بنایا۔

بہر حال وہ اسباب جن سے یہودیوں کو فلسطین کی اسلامی حکومت کو ختم کرنے میں کامیابی ملی اس کا اجمالی ذکر ہم کرتے ہیں:

(۱) یہودیوں کی پلاننگ اور اس کی کامیابی کے لئے صبر واستقامت کا ثبوت:

فلسطین کو یہودی ریاست بنانے کی پلاننگ، یہودی مفکروں نے شروع کی پھر سوئزرلینڈ کے بال (Bale) شہر میں صہیونی اول کانفرنس ۱۸۹۷ء میں عظیم تر اسرائیل کے قیام کا منصوبہ منظور کیا گیا کہ پہلے مرحلہ میں یہودیوں کو ہجرت کرکے فلسطین آنے اور وہاں زمین خریدنے پر آمادہ کیا جائے، دوسرے مرحلہ میں عالمی حمایت حاصل کرنے کی کوشش، خاص کر برطانیہ عظمی کی طرف سے قانونی جواز اور حمایت سب سے اہم چیز ہے، اور کہا جاتا ہے کہ یہ پروٹوکولز پہلی صہیونی کانفرنس میں تیار کئے گئے تھے۔

دونوں منصوبے انسانی نفسیات کی گہرائی کی معرفت، اور موجودہ ملکی فضا کے ادراک اور اس کو اپنے موافق استعمال کرنے کی صلاحیت پر دلالت کرتے ہیں یہودیوں نے بہت عرق

ریزی اور دور اندیشی سے یہ دونوں پلان مرتب کیئے تھے۔

اور پھر اس پلان کو نافذ کر کے کامیابی سے ہمکنار ہونے تک یہودیوں نے مثالی صبر واستقامت اور قوت برداشت کا مظاہرہ کیا، مختلف قسم کے خطرات ومصائب کا ثابت قدمی سے سامنا کرنا اور اپنے موقف پر جمے رہنا ان ہی کے بس کی بات تھی، جیسے ابتداء میں مشرقی یورپ میں ظلم وستم اور جبر وقہر سے مسلسل دوچار رہنا، پھر جرمنی میں ہٹلر کے ہاتھوں عظیم ترین ہولناکیوں، بربادیوں اور اجتماعی قتل سے نبرد آزما ہونا، پھر فلسطین میں آباد ہونے والے یہودیوں کو فلسطین کے اصل باشندوں کی شدید مخالفت، نیز دوسرے عرب ملکوں کی جانب سے مخالفت کا سامنا کرنا اور ان سب سے پہلے عثمانی خلافت نے فلسطین میں یہودی ریاست کے مطالبہ کو نہ صرف ٹھکرادیا تھا بلکہ سلطان عبدالحمید نے فلسطین میں یہودیوں کی آمد ورفت پر پابندی لگادی تھی جس کی وجہ سے یہودیوں نے ان کے خلاف سازش کی۔

سلطان عبدالحمید کی جانب سے مطالبہ کے ٹھکرانے پر ٹیوڈر ہرٹزل نے اپنی یادداشت (ڈائری) میں وضاحت کی ہے کہ سلطان نے لاکھوں یہودیوں کے جذبات کو ٹھکرایا ہے لہذا ''اتحاد وترقی جماعت'' نے لاکھوں یہودیوں کو اپنے منصوبہ کو نافذ کرنے کے لئے تیار کرنے کا فیصلہ کرلیا ہے۔

یہ تمام مراحل طے کرنا اور اپنے ہدف کو حاصل کرنے تک جمے رہنا ایک طرف پلاننگ ومنصوبہ سازی کی جامعیت پر دلالت کرتا ہے تو دوسری جانب یہودیوں کے صبر واستقامت کی انتہا کو بھی ظاہر کرتا ہے۔

مگر یہودیوں کے مقابلہ میں افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ مسلمان قوم کے پاس کوئی پلاننگ نہیں بلکہ صحیح معنوں میں کہا جائے تو امت مسلمہ کے فرزندوں میں بیداری نام کی کوئی چیز نہیں ملتی، فرزندان اسلام کے پاس، فلسطین کے مسئلہ کے لئے اخلاص نیت ہے مگر بغیر کسی منصوبہ

بندی کے اور اکثر اوقات میں ان کے پاس اپنے پلان کو نافذ کرنے میں صبر واستقامت پایا ہی نہیں جاتا۔ دوسری چیز یہ ہے کہ مسلمانوں نے فلسطین وبیت المقدس کے تعلق سے یہودیوں کے پیدا کردہ انتشار واضطراب اور مسائل کو حل کرنے کے سلسلہ میں غیر مخلص لیڈروں کی باتوں کو قبول کرلیا اور خود اپنے پر اعتماد نہیں کیا۔

لڑائی سے اسلام کو دور رکھنے کی پالیسی:

صہیونی اور صلیبی قوتوں کو یہودی ریاست کے قیام کی راہ میں سب سے زیادہ خطرہ اسلام سے تھا اس لئے اس کو شروع ہی سے دور رکھا گیا اور فلسطین کی جنگ کو عرب اور یہودیوں کی لڑائی سے موسوم کیا گیا۔

اولاً اس وجہ سے کہ اسلام مسلمانوں کو ذلت ورسوائی کی زندگی گذارنے اور وہ بھی دنیا کی سب سے ذلیل وملعون قوم کے زیر سایہ ایسی زندگی پر راہ حق میں جہاد کرتے ہوئے موت کو گلے لگانے کی ترغیب دیتا ہے۔

نیز مسلمان پر ایسے حالات میں جب کہ غیر اقوام وملل کی جانب سے کسی اسلامی ریاست پر حملہ ہو تو اسلام جہاد کی دعوت دیتا ہے اور بعض اہم حالات میں جہاد کو فرض عین کا درجہ دیتا ہے جس میں ہر صاحب استطاعت مسلمان کا حصہ لینا لازم ہے، یہی وہ عقیدہ جہاد مسلمانوں کو بغیر ہتھیار لڑنے پر بھی اللہ کی جانب سے فتح ونصرت کی ضمانت دیتا ہے کہ جب حکم مل گیا تو "فانفروا خفافا وثقالا"، اللہ مدد کرے گا اور اس عقیدہ جہاد پر اسلام کے اس حکم کو بڑھایا لیا جائے نور علی نور ہوگا کہ اللہ تعالی فرماتا ہے:

"وأعدوا لهم ما استطعتم من قوة ومن رباط الخيل ترهبون به عدو الله وعدوكم" (سورہ انفال:۶۰) (اور تم ان کے مقابل جو کچھ استطاعت رکھتے ہو، تیار کرو طاقت وقوت اور پلے ہوئے گھوڑے، جن سے اللہ کے دشمنوں اور اپنے دشمنوں کو ڈراؤ)۔

اس آیت کے جامع ترین الفاظ پر غور کریں تو چند چیزوں کا اشارہ ملتا ہے:

۱- اعدوا یعنی اعداد، تیاری سے پتہ چلتا ہے کہ بھرپور انداز میں پلاننگ منصوبہ بندی اور ٹھوس تیاری کی جائے۔

۲- من قوۃ سے تمام مادی وسائل کو بروئے کار لانا جس سے جنگی طاقت اور دفاعی تیاری کا اندازہ ہو سکے۔

من قوۃ سے، معنوی ایمانی تیاری کا اندازہ بھی لگایا جا سکتا ہے۔

مادی دفاعی قوت کی تیاری میں عسکری تیاری جیسے افراد کی کثرت اور ان کی فوجی ٹریننگ اور فوجیوں کو ضروری اسلحوں سے لیس کرنا۔

من رباط الخیل، سے بھاری ہتھیاروں کی تیاری کا اشارہ ملتا ہے جیسے ٹینک، بکتر بند گاڑیاں، بھاری دور مار توپیں، میزائیل وغیرہ، الغرض جیسے حالات ہوں اس اعتبار سے دفاعی حربی تیاری کی ترغیب دیتا ہے۔

ثانیاً: اسلام کو جنگ سے اس لئے دور رکھا گیا کہ اس کے پاس لڑائی میں شامل کرنے کے لئے بہت زیادہ افراد ہیں جس کا یہودی قوم کے پاس فقدان ہے، یعنی آج عالم عرب میں امت اسلامیہ کی آبادی 372,370,000 سے زیادہ ہے۔

ثالثاً: اسلام کو "معرکہ" سے الگ تھلگ رکھنے کی ایک اہم وجہ یہ تھی کہ اسلام معرکہ میں سیاسی اور اقتصادی دباؤ ڈالنے کی پوزیشن میں ہے، کیونکہ اسرائیل کے دوستوں کی سیاسی واقتصادی ضروریات کا اکثر سامان مسلمانوں کے پاس ہے اور اسرائیل و یہود کے مددگاروں کی یہ تمام ضروریات مسلمانوں کے قبضہ میں ہونے سے اسلام اس پوزیشن میں ہے کہ دباؤ ڈال سکے۔

ان ہی اسباب وعوامل کے پیش نظر اسلام کو ہر ممکن طریقہ سے اس معرکہ سے دور رکھا گیا۔

معرکہ سے اسلام کو کنارہ رکھنے اور اس کی کیفیت کے سلسلہ میں:

عثمانی سلطنت کے اندر یہودیوں نے شورش پھیلانے کا جو پروگرام مرتب کیا تھا وہ بالکل ظاہر ہے، ڈونحہ یہودی (Dona Gracia Mendez Nasi) اور انہیں میں سے ان کے ساتھ اتحاد و ترقی جماعت اور ترکی کی یہودی وانتہا پسند تنظیم جس کو روسی مصنف و ادیب سرجس نیولس (Sergei Aleksandrouich Nilius) نے منظم کیا تھا تاکہ ترکی کی راہ سے فلسطین میں اسرائیلی اجگر کو پہنچایا جائے، ان سب نے مل کر ترکی میں ہنگامہ شورش، اور فسادات اعلی پیمانہ پر پھیلائے ان یہودیوں نے آستانہ پر دھاوا بول دیا سلطان کے خلاف مغرب پرست ترکوں کو بھڑکایا اس شورش و فتنہ انگیزی کی انتہا سلطان عبدالحمید کی معزولی پر ہوئی جنہوں نے کمال جرأت اور اسلامی غیرت کا مظاہرہ کرتے ہوئے یہودیوں کی گرانقدر مالی پیش کش کو ٹھکرا دیا تھا۔ اس کے بعد یہودیوں نے ترکی کی اسلامی خلافت کو ختم کرنا ضروری سمجھا جس کی موجودگی میں اس کے بیچ وطن فلسطین میں یہودی ریاست کا قیام کس صورت ممکن نہیں تھا سلطان عبدالحمید ثانی کو ۱۹۰۹ء کی آستانہ شورش کے نتیجہ میں پہلے تمام ملکی و مذہبی اختیارات سے محروم کر کے معزول کیا گیا اس کے ۱۹۲۴ء میں اتاترک مصطفیٰ کمال پاشا کے ذریعہ عثمانی خلافت کو ختم کر دیا گیا۔

اگر عثمانی خلافت باقی رہتی تو یقینی طور پر فلسطین کی جنگ اسلامی جنگ ہوتی اور مسلمان اس میں جہاد کے جذبہ سے شرکت کرتے تو کچھ اور ہی انداز ہوتا۔ بہر حال اسلام کو فلسطین و بیت المقدس میں معرکہ سے الگ تھلگ رکھنے کی کوشش اول روز سے آج تک مسلسل جاری ہے۔

فلسطینی قوم کو معرکہ سے الگ رکھنے کی کوشش:

جس وقت متعدد لڑائیوں میں انگریزوں اور یہودیوں کو فلسطینی قوم کی ایمانی جرأت وشجاعت اور اپنے وطن کے دفاع کے لئے بے پناہ قربانی دینے کے جذبہ صادق کا یقین ہو گیا اور

جان گئے کہ فلسطین و بیت المقدس میں اسلامی سرمایہ اور دینی آثار کی حفاظت اس قوم کی پہلی مصلحت اور فکر ہے اور یہودیوں اور انگریزوں کو قدس کے علاقہ کے کمانڈر شہید عبدالقادر حسینی اور منطقہ وسطی کے کمانڈر شہید حسن سلامہ جیسے غیور کمانڈروں سے سابقہ پڑا اسی وقت انہوں نے فلسطین کو عرب اسرائیل جنگ سے دور رکھنے کا فیصلہ کرلیا۔ اور پلاننگ وتنفید کانفرنس کا مقصد فلسطینیوں کی جگہ سات عرب ممالک پر مشتمل مشترکہ عرب فوج کو فلسطین کے محاذ پر تعینات کرنا تھا تا کہ فلسطینی قوم کی نیابت کرتے ہوئے یہودیوں کے ساتھ معرکہ میں شریک ہو۔

اس سے پہلے بھی اور فی الوقت بھی فلسطینی قوم، جس کا اصل قضیہ ہے فوجی ٹریننگ دینے اور اسلحہ سے آراستہ کرنے سے محروم رکھا گیا اور محاذ پر تعینات عرب افواج کو فلسطینیوں کی امانت داری اور یہودی دشمن کے حساب سے سرگرمی نہ دکھانے کے سلسلہ میں شکوک وشبہات میں ڈالا گیا یہاں تک کہ متعین افواج کو فلسطینی قوم پر اعتماد نہیں رہ گیا۔

مجھ کو تعجب اس بات پر تھا کہ عربوں کی افواج کی قیادت جب انگریزی ہاتھوں میں تھی تو یہ عرب فوج کس طرح مسلمانوں کے مفاد اور ان یہودیوں کے خلاف جنگ میں حصہ لے سکتی تھی، جن یہودیوں کی حفاظت وحمایت اور ان کے پلان کو نافذ کرنے کا وعدہ انگریزوں (برطانیہ وفرانس) نے کر رکھا ہے کہ ہر حال میں فلسطین میں یہودی قومی سلطنت قائم کی جائے گی؟

اور مجھ کو ان دوسرے لشکروں پر بھی تعجب تھا جو ان ملکوں میں تھے جن پر انگریزوں نے قبضہ کر رکھا تھا کہ کس طرح انگریزی حکومت ان کو یہودیوں سے لڑنے کے لئے فلسطین کی طرف کوچ کرنے کی اجازت دے گی؟

یہ ایک عجیب صورت حال تھی کہ برطانیہ ہی نے یہودی وطن کے قیام کا وعدہ کیا تھا اور وہی فلسطین کے محاذ پر عرب افواج کی قیادت کر رہا تھا تب مجھ کو یقین ہوگیا کہ اصل مقصد اس معرکہ سے بہرصورت فلسطینی قوم کو دور رکھنا ہے تا کہ فلسطین پر قبضہ کرنے کا پلان عملی طور پر

کامیاب ہو جائے اور محاذ جنگ سے فلسطینیوں کو دور رکھ کر فلسطین کی سرزمین کا ایک ایک ٹکڑا بہادر عرب افواج سے چھین کر اسرائیل کے حوالے کر دیا جائے، چنانچہ جب ۱۹۴۸ء میں جنگ فلسطین ختم ہوئی تو فلسطینی قوم کو جنگی اعتبار سے معرکہ سے بالکل الگ کیا جا چکا تھا جو آج تک الگ تھلگ ہے اس کے بعد سیاسی منظر نامہ سے بھی ہٹا دیا گیا اور فلسطین کا مسئلہ اقوام متحدہ کے ہاتھ میں دے دیا گیا یہاں تک کہ یہ مذہبی اسلامی جنگ کے بجائے دو صاحب اقتدار ریاست عرب واسرائیل کا جھگڑا بن گیا اور ۱۹۶۷ء میں جب فلسطینی عنصر کے غلبہ کے آثار ظاہر ہونے لگے تو ان میں سے خاص خاص لیڈروں کو جمع کر کے آزادی فلسطین فوج کے نام سے ایک تنظیم بنا دی گئی جو ۱۹۶۷ء میں پورے طور پر یہودیوں کے پہلے ہی حملہ میں ہزیمت سے دوچار ہوگئی۔

فلسطین میں موجودہ المناک حالت:

اولاً: سیاسی پہلو سے مندرجہ ذیل حالت ہے:

الف۔مملکت، قوم وعلاقہ اور قیادت:

فلسطینی قوم آج ملکوں اور علاقوں میں منتشر زندگی گذار رہی ہے اور متعدد جماعتوں اور تنظیموں میں تقسیم ہے اس کے بارے میں انشاء اللہ ہم "اجتماعی پہلو" کے عنوان سے تفصیل سے گفتگو کریں گے۔

اور فلسطین کی ریاست آج سیاسی نقشہ پر ناپید ہے۔ اسی جگہ اسرائیل کی مملکت پائی جاتی ہے اور اس نے صرف ارض فلسطین پر ہی اکتفا نہیں کیا بلکہ ۱۹۶۷ء کی توسیع میں شام کے گولان پہاڑ کو اور اردن کے مغربی کنارہ اور مصر کے صحرائے سینا کو بھی نگل لیا ہے اور اس آخری توسیع میں جن جن علاقوں کو اسرائیل نے ہڑپ کیا ہے وہ اس سے قبل غصب کردہ علاقوں سے کہیں زیادہ اراضی ہے، خاص کر سرزمین فلسطین پر فلسطینی قوم کے لئے کوئی جگہ نہیں ہے بلکہ اس

کے لئے کسی دوسری جگہ بھی کوئی اقتدار وحکومت نہیں ہے۔

ب- اسرائیلی قبضہ کے لئے جوازحق کے اعتراف سے پورا ہوگا:

اسرائیل اپنے وجود کے دن سے بلکہ اس کے بہت پہلے سے اس بات کے لئے کوشاں ہے کہ اپنے ناجائز قبضہ کو قانونی جواز کے پردہ میں چھپالے، اس کوشش کو اہل حق نے اسی دن نامنظور کردیا جب کہ کہا" اِن من لا یملک اعطی من لا یستحق" کہ جو خود مالک نہیں ہے اس نے غیر مستحق کو ملکیت دیدی۔

اور افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ آج خود وہی اہل حق حضرات غیر مستحق اسرائیل کے لئے حق تسلیم کرنے کے کردار میں نظر آرہے ہیں اور اگر ایسا ہوتا ہے تو یہ سب سے خطرناک بات ہوگی، یوں بھی اس خطرے کی تمہید پہلے ہی سے مختلف انداز میں گذر چکی ہے۔

۱- اعلامی تمہید: اسرائیل ایک حقیقت ہے، عرب ممالک اس کو فلسطین سے ہٹانے کی طاقت نہیں رکھتے۔

۲- جنگی تمہید: عرب ممالک کے سامنے فوجی طاقت کا مظاہرہ کرکے ان کو اسرائیل کے ساتھ صلح کرنے اور اس کو تسلیم کرنے پر مجبور کرنا۔

۳- اقتصادی تمہید: عرب اقوام کے لئے اقتصادی ناکہ بندی کرکے اس خطہ میں خاص کر فلسطین میں ایسی صورت حال پیدا کی جائے کہ ہر حال میں عرب ممالک اور فلسطینی عوام اسرائیل سے بات چیت کرنے اور صلح وسلامتی کے لئے آمادہ ہوجائیں۔

۴- سیاسی تمہید: اسرائیل کی حمایت میں کام کرنے والی ایسی تنظیمیں میدان میں آجائیں جن کا کام ہی عرب قومیتوں کی اخلاقی وروحانی اور دینی حالت کو خراب کرنا اور پروپیگنڈہ مہم چلانا تاکہ اسرائیل کے غصب وقبضہ کو درست مان کر قبول کرلیا جائے بلکہ غاصب اسرائیل کے ساتھ تعاون ومدد کا معاملہ کیا جائے (اور کیمپ ڈیوڈ معاہدہ کے ذریعہ یہ سب منصوبے پورے

کر لیے گئے)۔

ج-اسرائیل کا سیاسی مستقبل:

احمق بنانے والے (امریکہ و برطانیہ وغیرہ) اور احمق بننے والے (عرب ممالک) سمجھتے تھے کہ جب اسرائیل کو تسلیم کر کے اس کے ساتھ صلح کر لی جائے گی تو اسرائیل اپنے توسیعی عزائم سے باز آ جائے گا اور اب تک جتنی اراضی پر ناجائز قبضہ کر چکا ہے اس پر قناعت کر لے گا، اور فلسطینی ریاست کے لئے راستہ آسان ہو جائے گا۔

حالانکہ صہیونیت کی تاریخ اور اس کا مزاج وطبیعت اور اس کے عزائم ومنصوبے اور صہیونیت سے متعلق تمام کتابیں، اس بات کا انکار کرتی ہیں، اسرائیل سے ایک حد تک محدود رہنے کی امید رکھنے والوں کو چاہیئے کہ وہ یہودیوں کی مذہبی کتاب تلمود کا مطالعہ کریں اور ۱۹۷ء کے پروٹوکولز کو پڑھیں بلکہ وہ دیکھیں کہ اسرائیل کی پارلیمنٹ (کنیسٹ) پر کیا لکھا ہے "من الفرات إلى النيل ملكك يا اسرائيل" اس کے شاید ان کے سر شرم وندامت سے جھک جائیں اور اسرائیل سے قناعت کی امید پر افسوس کریں۔

اسرائیل کے صدر نے ایک دن عربی زبان میں تقریر کی (فلسطین کے اصل حقدار عربوں کی زبان میں) اور کہا یہودی اس سرزمین کے اصل حق دار ہیں اور اپنے آباء واجداد کی زمین وجائداد واپس حاصل کر کے رہیں گے۔

گویا اسرائیلی صدر کے نزدیک اسلامی پرچم تلے چودہ سو سال سے فلسطین وبیت المقدس میں رہنے والے عرب مکین اس کے حق دار نہیں ہیں اور وہ عرب جو اسلام سے پہلے ہی صدیوں سال قبل سے فلسطین میں آباد تھے وہ اس کے اصل حقدار نہیں ہیں، اسرائیلی صدر نے یہودیوں کے فضائل ومناقب اور خصوصی درجات کو بیان کیا اور آئندہ مقبوضہ فلسطین کے لئے کیا پلان ہے اس پر روشنی ڈالی۔

بہر حال سیاسی طور پر اسرائیل اتنا طاقتور ہے کہ جو چاہتا ہے من مانے طریقہ پر کرتا ہے، وہ اپنے حمایتیوں کو کٹھ پتلی کی طرح نچاتا ہے اگر کسی جانب سے اسرائیل کی مخالفت ہوتی ہے تو اسرائیل اس کٹھ پتلی کو بدل دیتا ہے، اسرائیل جب چاہتا ہے اقوام متحدہ کی قراردادوں کو پامال کرتا ہے اس کو ماضی میں جو ضمانتیں اقوام متحدہ اور بریطانیہ وفرانس اور امریکہ کی جانب سے دی گئی ہیں ان کے خلاف اگر کچھ ہوتا ہے تو اسرائیل اس کو ردی کے خانہ میں ڈال دیتا ہے اسرائیل نے اسلام کو اس وقت اپنے حساب سے نظر انداز کر رکھا ہے اس لئے کہ وہ مسلمانوں کو بری طرح توڑ کر بے دست بنا چکا ہے، اس کو مسلمانوں سے فی الحال اپنے وجود کے بارے میں کوئی خطرہ نہیں ہے۔

لیکن ہمارا اللہ کی عظمت وجلالت اور قدرت کاملہ پر جو عقیدہ و یقین ہے وہ کمزور نہیں ہوا ہے اور ہمارا اسلام کی کامیابیوں اور غلبہ پر ایمان پژمردہ نہیں ہوا ہے اسلام بہر حال غالب ہوگا، ”وإن جندنا لهم الغالبون“ (الصافات: ۱۷۳)۔

ثانیاً: اجتماعی پہلو سے مندرجہ ذیل حالت ہے:

الف-ایک قوم ٹوٹ گئی:

فلسطینی قوم کی بدنصیبی ہے کہ اس کو قدیم وجدید اختلافات نے توڑ پھوڑ دیا ہے جلاوطنی، پناہ گزینی، ہجرت اور خیموں کی زندگی نے ٹکڑے ٹکڑے کر دیا ہے اور بھوک و پیاس لباس سے محرومی، امراض کی کثرت نے اس کو برباد کر دیا ہے۔

ب-ایک قوم جو تحلیل ہوگئی:

سیکولرزم، کمیونزم، اشتراکیت یہودی وجود جیسے پے درپے حوادث ومصائب نے فلسطینیوں کو توڑنے کے بعد فکری طور پر تحلیل کر دیا، پھر وہ اخلاقی ومعاشرتی اعتبار سے تحلیل

ہو گئے جب اس کو ملک بدری اور حاجت مندی نے برباد کر دیا اور اس میں اختلاط سرایت کر گیا دوسری قوموں کے خلط ملط سے اس کی اپنی بنیادی شناخت متاثر ہوئی اس کے بعد خاندانی طور پر تحلیل ہو گئی جب ایک خاندان ٹوٹ کر مختلف علاقوں اور ملکوں میں منتشر ہو گیا، اجتماعیت، خاندان سب بکھر گیا، اب ان سب کو اپنے اپنے مقام پر روزی روٹی اور ضروریات زندگی کی فکر لاحق ہے، قومی جوش و ولولہ سرد ہو گیا ہے، سوائے چند ایک آواز کے جو کبھی کبھی بلند ہوتی ہے پھر دبا دی جاتی ہے اب اللہ ہی رحم فرمائے، اسی کا سہارا ہے وهو المستعان۔

ج- یہودی قوم:

دوسری جانب غاصب یہودی قوم ہے جس کے لیڈران فلسطینی مسلمانوں اور اسرائیل کے اندر آباد عرب مکینوں کے بارے میں مندرجہ ذیل قسم کے نظریات رکھتے ہیں اور اس کا اعلان بھی کرتے ہیں۔

عربوں کے لئے اسرائیل کے پاس تین طرح کے اختیارات (Options) ہیں:

۱-سب یہودی مذہب قبول کر لیں۔

۲-سب کو اسرائیل سے باہر کھدیڑ دیا جائے۔

۳-سب کو مکمل طور پر ہلاک کر دیا جائے (بن گوریان اسرائیلی وزیر اعظم)۔

☆ عنقریب ہم اس مرحلہ تک پہنچ جائیں گے جب ہم کو اس بات کی پوری آزادی ہوگی کہ اسرائیل کے اندران تمام لوگوں کو رہنے سے منع کر دیں جو اپنے سروں پر یہودی ٹوپی نہیں اوڑھتے (گولڈا مایر اسرائیلی وزیر اعظم ۱۹۷۳ء)۔

فلسطینی قوم کا مستقبل:

فلسطینی قوم کے مستقبل کے تعلق سے گفتگو بہت تکلیف دہ موضوع ہے (غیب تو اللہ ہی

جانتا ہے کہ آئندہ کیا ہوگا) مگر ہر دور میں اسلام کے دشمنوں سے مقابلہ کرنے کی تیاری کا حکم ہم کو اللہ تعالی نے درج ذیل آیتوں کے ذریعہ دیا ہے:

"وأعدوا لهم ما استطعتم من قوة ومن رباط الخيل ترهبون به عدو الله وعدوكم" (الانفال:٦٠) (اور تم ممکن حد تک دشمنوں سے مقابلہ آرائی کے قوت اکٹھا کرو اور پھلیے ہوئے جنگی گھوڑے تیار کرو جن سے اللہ اور اپنے دشمنوں کو ڈراؤ)۔

اور مقابلہ کے لئے تیاری کرنا، مستقبل کے اعتبار سے اچھی امید رکھنے اور اس کی بنیاد پر اچھے اعمال کرتے رہنے کا تقاضا کرتا ہے جبکہ اللہ کی رحمت ونصرت سے مایوسی، عملی طور پرنا کارہ بنا دیتی ہے،"ولا تقنطوا من رحمة الله"۔

اور اللہ رب العزت کا تکوینی ضابطہ یہ ہے کہ بندوں کے اعمال اور حالات کے اعتبار سے ان کے ساتھ معاملہ کیا جائے گا، ارشادربانی ہے:"إن الله لا يغير بقوم حتى يغيروا ما بأنفسهم" (الرعد:١١) (ترجمہ.................................)۔

اور اللہ تعالی فرماتا ہے:"وتلك الأيام نداولها بين الناس" (آل عمران:١٤٠) (اور ہم دنوں کولوگوں کے درمیان الٹتے پلٹتے رہتے ہیں) کسی بام عروج پر پہنچاتے ہیں تو دوسرے کو تحت الثری میں پھینک دیتے ہیں۔

مزید ارشاد فرمایا:"إن تنصروا الله ينصركم ويثبت أقدامكم" (محمد:٧) (اگر تم اللہ (کے دین) کی مدد کروگے تو اللہ تمہاری مدد کرے گا اور تمہارے قدموں کو جمادے گا)۔

ان آیات کی روشنی میں ہم مصائب وآلام اور حوادثات کے مابین اپنے مستقبل کا خاکہ تیار کرکے اس میں ایمانی صلابت اور اسلامی اعمال کا رنگ بھر سکتے ہیں۔

واقعات واحداث کے دوران مستقبل:

فلسطین کے تعلق سے پے درپے رونما ہونے والے واقعات وتغیرات کے دوران کوئی

بھی باشعور اجتہادی صلاحیت رکھنے والا شخص مندرجہ ذیل نظریات قائم کرسکتا ہے۔

الف۔فلسطین کا کوئی مستقبل نہیں ہے۔

یہ پیش آمدہ واقعات اور ان سے توقعات کا منطقی پہلو ہے، اس لئے کہ صہیونیت نے فلسطین میں اپنا قدم رکھ دیا ہے، پھر کیونکر وہ اس کو پیچھے ہٹائے گی۔

صہیونیت ہر بار نیا گل کھلاتی ہے، لہذا عربوں کا مطالبہ بھی نیا ہو جاتا ہے اور پرانے مطالبہ کوفراموش کر دیا جاتا ہے۔

مطالبات میں تبدیلی کی چند مثالیں:

۱۹۶۷ء کی عرب اسرائیل جنگ میں اسرائیل نے اردن کے مشرقی حصہ اور بیت المقدس پر قبضہ کرلیا تو عربوں نے اسرائیل سے مطالبہ کرنا شروع کر دیا کہ وہ ۱۹۶۷ء میں مقبوضہ علاقوں کو خالی کر دے۔ پھر اس سے پہلے کے تمام ناجائز غاصبانہ قبضہ سے انخلاء کا مطالبہ سرد بستہ میں چلا گیا، گویا عربوں نے ذہنی طور پر ۶۷ء سے قبل کے قبضہ کو صحیح تسلیم کرلیا اور اس کے مطالبہ سے دستبردار ہو گئے، اگر حالات اسی طرح برقرار رہے تو جیسا کہ اس وقت ہیں تو ۶۷ء کا تمام مقبوضہ علاقہ، یہودیوں کا قانونی حق مان لیا جائے گا اور آئندہ مطالبہ نئے غصب کردہ اراضی سے متعلق ہو جائے گا کہ اب تک جن حصوں پر اسرائیل نے قبضہ کیا ہے آئندہ اس سے تجاوز نہ کرے اور عالمی برادری، بین الاقوامی سطح پر صہیونی وصلیبی اثرات کے تابع ہو کر اس کو قانونی جواز فراہم کر کے صہیونی توسیعات کی تائید وحمایت کرے گی۔

کیونکہ عالمی برادری گذشتہ سالوں میں صہیونی پروپیگنڈہ اور اثرات سے متاثر ہو کر ۱۹۴۷ء میں فلسطین کو عربوں اور یہودیوں کے درمیان تقسیم کر چکی ہے جو کہ تقسیم سے قبل خالص عربوں کی ملکیت تسلیم کی جاتی تھی اور ہزاروں سال سے اسلامی خلافت کا اٹوٹ حصہ تھی یہودیوں کا اس میں ذرہ برابر حصہ نہیں تھا مگر اقوام متحدہ نے قرارداد ۲۴۲ پاس کر کے یہودیوں کا حق مان

لیا اور ۱۹۴۸ء میں اسرائیل نامی یہودی ریاست جبراً قائم کردی گئی۔ یہی عالمی برادری آئندہ سالوں میں فلسطین کو کلی طور پر یہودیوں کی ملکیت مان کر فلسطینیوں سے ان اپنی ہی سرزمین خالی کر کے کہیں دوسری جگہ چلے جانے کا مطالبہ کرے گی کیونکہ ۶۷ء کے مقبوضہ علاقوں میں نئی یہودی بستیوں کے بسانے کا جو سلسلہ جاری ہے، امریکہ و برطانیہ اس کی کھلی حمایت کر رہے ہیں اور حالات بتا رہے ہیں کہ آخر کار بیت المقدس اور مشرقی اردن کے تمام مقبوضہ حصوں کو اسرائیل کی ملکیت تسلیم کر کے فلسطینیوں کو باقی ماندہ علاقوں تک محدود کر دیا جائے گا۔

اور آئندہ یہ ہوگا کہ اگر اسرائیل دوسرے علاقوں کو غصب کرے گا سلامتی کونسل اور اقوام متحدہ پرانی زمینوں پر اسرائیل کے حق کو تسلیم کر کے نئے قبضہ کردہ حصوں کو خالی کرنے کا مطالبہ کر کے عربوں کو اس قضیہ میں الجھا دے گی اور وہ سب کچھ بھول کر نئے مطالبات کے چکر میں پڑ جائیں گے جیسا کہ امریکہ یروشلم بیت المقدس کو اسرائیل کی راجدھانی تسلیم کر رہا ہے اور بیانگ دہل اعلان کر رہا ہے کہ اسرائیل مقبوضہ بیت المقدس کو نہیں خالی کرے گا۔

نوٹ: نومبر ۲۰۱۲ء امریکی الیکشن میں ریپبلکن پارٹی کے صدارتی امیدوار مٹ رومنی (Mitt Romnay) نے اپنے حالیہ دورہ اسرائیل اگست ۲۰۱۲ء کے دوران بیت المقدس کو اسرائیل کا بنیادی حق تسلیم کیا ہے اور ہر سطح پر اسرائیل کی حمایت جاری رکھنے کا اعلان کیا ہے۔

صہیونیت کا مستقبل:

اگر حالات اسی نہج پر رہے جیسا کہ اس وقت ہیں تو کہا جا سکتا ہے کہ اسرائیلی صہیونیت کا مستقبل تابناک ہے کیونکہ تکوینی ضابطہ یہی ہے کہ کامیابی اسی کے قدم چومتی ہے جو پیہم عمل پر یقین رکھتا ہے اور اپنے مقصد کے حصول میں سرگرم رہتا ہے، اور سستی کرنے اور محض شور وغل کرنے والوں کے حصہ میں ناکامی و نامرادی آتی ہے، ہمارا المیہ ہے کہ اسرائیل کی توسیع پسندانہ پالیسی پر عمل درآمد اپنے شباب پر ہے جب کہ عرب ممالک اور مسلمانان عالم صرف شور وغل اور

احتجاج کررہے ہیں، آپس میں اختلاف وانتشار کا شکار ہیں، ایک دوسرے پر الزام تراشی، ان کا شیوہ بن گیا ہے، مذمتیں کرنا، قراردادیں پاس کرنا پھر خاموش ہو جانا یہی ان کی سرگرمی ہے گویا خود اپنے مسلمان بھائیوں کے حق میں بہت سخت اور یہودیوں کے لئے انتہائی نرم دل بن گئے۔

جب کہ اسرائیل دریائے فرات سے لے کر دریائے نیل تک حکومت کے خواب دیکھ رہا ہے اس کو شرمندہ تعبیر کرنے کے لئے رات دن کوششیں کررہا ہے کہ کس طرح پوری دنیا کی قیادت اس کے ہاتھ میں ہو اور اسرائیل کے منصوبوں کی تنفیذ اس بات کی توثیق کرتی ہے کہ وہ اپنی مکروہ پلاننگ کو ایک نہ ایک دن نافذ کرکے اپنے اس خواب کو عملاً ثابت کردے گا اس لئے کہ وہ ہر لمحہ سرگرم عمل ہے اس لئے اپنے مقصد کو حاصل کرلے گا۔

گذشتہ واقعات کی بنیاد پر دیکھا جائے تو مکہ مکرمہ، مدینہ منورہ مسجد رسول کو سخت خطرات کا سامنا ہے یہ سب مقدس مقامات یہودی صہیونی دھمکیوں کے زیر سایہ ہیں اسی طرح دوسرے اسلامی ممالک اور دینی علاقے یہودیوں کے نشانے پر ہیں۔

میں نے جن خطرات کا ذکر کیا ہے اور چیلنجوں کی بات کہی ہے اس کے لئے دو شرطیں ہیں:

اول یہ کہ صورت حال ایسی ہی رہے جیسا کہ زیر نظر مضمون کے تحریر کے وقت میں پا رہا ہوں۔

دوم تکوینی نظام اسی طرح اثرات ڈالیں کہ کامیابی عمل کرنے والوں کو ملتی ہے اور فی الحال عرب مسلمان عمل سے کنارہ کش محض شوروغل مچا رہے ہیں اور صہیونی لابی سراپا عمل بنی ہے۔

ایمانی نقطہ نظر سے فلسطین کا مستقبل:

ایمانی نظریہ، واقعات کی اساس پر قائم نظریہ سے بہت زیادہ مختلف ہوتا ہے جبکہ ایمانی نظریہ مختلف الانواع ہونے میں متضاد بنیادوں پر قائم ہوتا ہے۔

۱-انہیں ایمانی نظریات میں سے ایک یہ ہے کہ اللہ تعالی تکوینی ضابطہ کا خالق ہے وہ اس ضابطہ کو جب چاہے بدل دے یا اس کو معطل کردے، یہ کوئی ضروری نہیں کہ تکوینی نظام ہر حال میں موثر ہی ہوگا مثال کے طور پر تکوینی ضابطہ یہ ہے کہ آگ ہر حال میں جلانے کا کام کرتی ہے لیکن اللہ کی مشیت نے جب چاہا کہ آگ کی یہ تاثر معطل ہو جائے تو آگ نے جلانے کا عمل نہیں کیا جیسا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو نمرود کی آگ نے نہیں جلایا، اس لئے کہ اللہ تعالی نے اس وقت آگ کی یہ صفت معطل کردی تھی، ''وقلنا یا نار کونی برداً وسلاماً علی إبراهیم''، وہی جلانے والی آگ خلیل اللہ کے لئے روح پرور نشاط انگیز ٹھنڈک بن گئی اور تکوینی طور پر ضابطہ یہ ہے کہ کثیر مقدار میں پانی میں داخل ہونے والے کو پانی غرق کردیتا ہے مگر اللہ مصر سے خروج کے وقت بنی اسرائیل کے حق میں بحر قلزم کو دو حصوں میں تقسیم کرکے خشک راستہ بنادیا اور بنی اسرائیل بآسانی اس سے گذر گئے پانی کے دو پہاڑوں کے درمیان چلے، پانی رکا رہا اس لئے کہ اللہ نے اس کے غرق کرنے والی صفت کو معطل کردیا تھا، ''فکان کل فرق کالطود العظیم'' (الشعراء:۶۳) (اور ہر حصہ ایک زبردست ٹیلے کے مانند تھا) اور اس کو خرق عادت کہا جاتا ہے۔

۲-تکوینی ضابطہ اور سنت رائجہ یہ ہے کہ اللہ تعالی کسی قوم کی اچھی حالت کو بری حالت سے اس وقت بدل دیتے ہیں جب اس قوم کے اعمال برے ہو جاتے ہیں لہذا برے عمل کا انجام بھی تکوینی طور پر برا ہی ہوتا ہے۔

اس کا مفہوم مخالف یہ ہے کہ اگر قوم اپنی بری عادتوں اور خراب حالتوں کو ختم کرکے اچھی عادت اور عمل اختیار کرے تو اس کی جو خراب حالت چل رہی ہے وہ اچھی حالت سے بدل جائے گی اور اللہ کی رکی ہوئی مدد اس پر پھر سے حاصل ہونے لگے گی، لہذا اگر مسلمانان عالم اپنے اعمال کا محاسبہ کریں اور اپنی اندر پیدا ہونے والی برائیوں کو ختم کرکے اللہ کی مرضی کے مطابق دین اسلام پر عمل پیرا ہو جائیں تو ذلت ونکبت اور ہزیمت کی جس حالت سے دوچار ہیں وہ بدل جائے

گی اس ایمانی نظریہ کی تائید یہ آیت کرتی ہے: "إن تنصروا الله ينصركم ويثبت أقدامكم" (سورہ محمد:۷) (یعنی اگر تم اللہ کی مدد کرو گے تو اللہ تمہاری مدد کرے گا اور تمہارے قدموں کو جمادے گا)۔ مسلمانوں کو خاص کر مسئلہ فلسطین سے متعلق فلسطینی اور عرب قوم کو اسی ایمانی پہلو سے غور کرنا چاہئے۔

اس ضابطہ کی روشنی میں:

اس ضابطہ اور اصول کی روشنی میں لاحق مرض کا علاج شروع ہوتا ہے ہم اگر واقعی ارض فلسطین کی واپسی چاہتے ہیں تو ضروری ہے کہ سر سے لے کر پیر تک اپنے اندر تبدیلی پیدا کریں، کلی طور پر اپنی موجودہ غیر اسلامی حالت کو بدلیں اور ان اسلامی اصولوں کو اختیار کریں جن کی بنیاد پر اللہ کی مدد کے حقدار بن سکتے ہیں تب اللہ تعالی ہماری ذلت کو عزت سے بدلیں گے۔

اور یہ بھی لازم ہے کہ ہمارے اعمال واخلاق اور عادات واطوار میں رونما ہونے والی یہ تبدیلیاں خالص اسلامی اصول وقوانین کے تحت ہوں کیونکہ اسلامی دستور اور قرآنی اصول سے ہٹ کر کسی بھی تبدیلی کے ساتھ اللہ رب العالمین کی نصرت واعانت کا کوئی تصور خام خیالی ہے یہ تبدیلی اللہ کی مرضی اور مراد سے ہٹ کر ہوگی۔

مسئلہ فلسطین میں ہمارا مشاہدہ وتجربہ یہ ہے کہ یہودیوں نے جب ارض فلسطین کو ہڑپنے کا فیصلہ کیا تو سب سے پہلے اسلام کے عمل دخل کو اس معرکہ سے ختم کیا اس کو خالص دوریاستوں کا مسئلہ بنایا گویا فلسطین کی جنگ اسلامی جنگ یا جہاد نہیں تھا اور عربوں نے غلطی سے اس کو عرب اسرائیل جنگ مان لیا لہذا صہیونیوں نے اسلام کو کنارے لگا کر بہت آسانی سے فلسطین کو ہڑپ کرلیا۔

اب فلسطین کی واپسی کی ایک ہی صورت ہے وہ یہ کہ اسلامی جہاد کے جذبہ سے فلسطین کی جنگ لڑی جائے یہ ملعون یہودیوں کے مقابلہ میں پوری امت اسلامیہ کے لئے اسلامی جہاد

قرار پائے اور ہر مسلمان دینی فریضہ مان کر اگر اس میں شریک ہو۔

اسلام ہی کو فوقیت دی جائے:

فلسطین کے قضیہ کا حل یہ ہے کہ اسلامی نظریہ کے تحت ایمانی غیرت وحمیت کا دباؤ ہی یہودیوں اور مسلمانوں کے درمیان جاری اس جنگ کی کیفیت بدل سکتا ہے اور اس کے نتائج میں تبدیلی لا سکتا ہے جب کہ افراد کی کثرت کا دباؤ جنگ کے رجحان اور پالیسی پر پڑتا ہے اور سیاسی اعتبار سے یہ دباؤ ڈالا جائے کہ مغربی یورپین ممالک کی سرپرستی وثالثی ختم کر کے اسلامی ممالک متحد ہو کر اس جنگ میں فلسطینی قوم کی پشت پناہی کریں اور پہلے ذکر کر چکے ہیں کہ اللہ تعالی کی مدد خاص حالات میں نازل ہوتی ہے غزوہ بدر کے موقع پر اللہ تعالی نے مسلمانوں سے فرشتوں کی جماعت کے ذریعہ مدد کا وعدہ خاص حالت میں فرمایا تھا کہ اگر تم اس معرکہ حق و باطل میں صبر واستقامت سے جمے رہے اور اللہ سے ڈرتے رہے پھر دشمنان اسلام تم پر یکبارگی حملہ آور ہوں تو گھبرانا مت اس نازک حالت میں اللہ کی مدد تم کو پہنچے گی۔

”بلی إن تصبروا وتتقوا ویاتوکم من فورھم ھذا یمددکم ربکم بخمسة آلاف من الملائکة مسومین“ (آل عمران:۱۲۵)۔

(بھلا کیوں نہیں! اگر تم نے صبر کیا اور اللہ سے ڈرتے رہے اور دشمنوں نے تم پر یکبارگی حملہ کر دیا تو تمہارا رب تمہاری مدد پانچ ہزار نشان زدہ (اسپیشل فورس) فرشتوں سے کرے گا)۔

”وما جعله الله إلا بشری لکم ولتطمئن قلوبکم وما النصر إلا من عند الله العزیز الحکیم“ (آل عمران:۱۲۶)۔

(اور اس وعدہ کو اللہ نے تمہارے لئے بشارت بنایا اور تا کہ اس سے تمہارے دلوں کو اطمینان ہو جائے اور مدد تو اس اللہ کی جانب سے جو زبردست حکمت والا ہے)۔

نوٹ: یہ مقالہ مجلہ الوعی الاسلامی شمارہ ۱۹۵ ربیع الاول ۱۴۰۱ھ جنوری ۱۹۸۱ء میں شائع ہوا۔

بیت المقدس اور جدید شاعری

شیخ مفوض عوض ابراہیم

جس وقت عربوں اور یہودیوں کے درمیان معرکہ آرائی اپنے عروج پر تھی اور صہیونیوں نے وسیع تر اسرائیل کے مذموم عزائم کا کھل کر اظہار کر دیا تھا ایسے پر آشوب حالات اور جنگی ماحول میں جدید دور کے عرب شعراء بھی قلم و قرطاس لے کر میدان میں اتر گئے، انہوں نے اپنے جدید انداز و اسلوب میں بیت المقدس اور فلسطین کے قضیہ کو اشعار کے قالب میں ڈھال کر دلوں کو گرمانے کا کام کیا اور فلسطین کے داخلی حالات اور مقبوضہ سرزمین کے مسائل کو بہت درد و کرب کے ساتھ موثر انداز میں پیش کیا۔ مجبور و مقہور فلسطینی عوام جن نازک اور خطرناک دور سے گذر رہے تھے اور اسرائیلی جارحیت اور دہشت گردی کا شکار ہو رہے تھے عرب شعراء نے اپنے قصائد میں اس کو موضوع بنایا وطین عزیز کی حفاظت اور غاصب یہودیوں کے ظلم و ستم کی داستان کو بہت سلیقے سے پیش کیا، مسلمانوں کے شعور و وجدان کو ابھارا اور مظلوم فلسطینی عوام کی حمایت و نصرت کی دعوت دی خاص کر مقبوضہ فلسطین کے باشندوں کو حوصلہ بخشا کہ سب کچھ برداشت کرتے رہیں مگر اپنے وطن اور سرزمین کو چھوڑنے کا تصور نہ کریں، اس لئے کہ اس صورت میں کامیابی ممکن ہے اپنا وطن جس حالت میں ہو بہر حال اپنا وطن ہے دربدر کی ٹھوکر کھانے سے بہتر ہے کہ صبر و استقامت کے ساتھ حالات کا مقابلہ کریں اور ضرورت پڑے تو وطن عزیز کے لئے اپنی جانوں کا نذرانہ پیش کرنے سے دریغ نہ کریں۔

جدید لب ولہجہ کی شاعرہ نازک الملائکۃ نے کتنی گہری بات کہی ہے:

''اے اسرائیل کے بے رحم نیزو تم کو جتنا سیراب ہونا ہے، ہمارے وطن کے قلب وجگر، دست وبازو اور جان سے سیراب ہولو اور اس کو زخمی کرلو بہرحال فلسطین ہمارا وطن ہے اس کی عربی اصالت اور خاصیت باقی رہے گی اور اس کی شعاعوں میں عربی رنگ غالب رہے گا، اس کے بانیوں میں عربیت کی لذت وحلاوت باقی رہے گی، اسکی مٹی میں عربیت کی خوشبو قائم رہے گی اور اس کی روح میں عربیت کا اثر ہمیشہ رہے گا''۔

اور اسی رنگ اور اسلوب میں فتحی قاسم بھی نوا سنج ہیں اور اپنے قصیدہ جس کا عنوان ہے ہنا جذری (یہاں میری اصل ہے) میں کہتے ہیں:

''میں اپنی ذلت ورسوائی کے باوجود اپنے اسی وطن میں رہوں گا اور اپنے زخم خوردہ جسم وجان اور ناپسندیدہ رنج وغم کے باوجود اس کو چھوڑ کر کہیں نہیں جاؤں گا۔

اس لئے کہ یہ میرے آباء واجداد کی سرزمین ہے جس حال میں بھی ہوں اپنے بزرگوں کی آغوش میں ہوں۔

یہی میری سرزمین ہے اور یہاں نسلوں سے چلی آرہی عزت وسربلندی کی چمک ہے۔

امیں اپنی ذلت ونکبت کے باوجود یہیں رہوں گا یہاں سے کوچ نہیں کروں گا۔

اسی جگہ میری اصل، میری تاریخ ہے، یہیں سے میری پہلی محبت کی داستان شروع ہوتی ہے۔

فلسطین میرا نشیمن ہے میں اپنے وطن سے دور نہیں جا سکتا''۔

اور محمود درویش کہتے ہیں:

''آہ یہ میرا جان لیوا زخم، میرے دشمن نے ہی سوغات دی ہے، تاکہ میں اپنے وطن سے کہیں دور چلا جاؤں، میرا وطن سوٹ کیس نہیں ہے کہ اس کو اٹھاؤں اور چل پڑوں اور نہ ہی میں

اپنے وطن سے کوچ کروں گا، یقیناً میں یہیں اپنے وطن میں رہوں گا میں ایسا عاشق ہوں کہ میرا وطن فلسطین میرا معشوق ہے، جہاں معشوق ہوگا وہیں عاشق کوسکون ہے، میرا سکون میرا وطن ہے اگر چہ وہ یہودیوں کے ہاتھوں اسیر ہے"۔

اور فدوی طوقان ارض فلسطین سے عام محبت وتعلق کو اپنے قصیدہ اغنیات صغیرہ رالی الفدائیین میں کچھ اس انداز سے پیش کرتے ہیں:

"میرے لئے فخر کافی ہے کہ میں اپنے وطن میں وفات پاؤں اور اس میں دفن کیا جاؤں اور اس کی مٹی میں گھل مل کر فنا ہو جاؤں، پھر سبز گھاس کی شکل میں اس کی سطح پر ظاہر ہوں، کبھی پھول بن کر عطر بیزی کروں، اور اس پھول سے میرے وطن کے معصوم بچے کھیلیں، میرے لئے کافی ہے کہ میں اپنے شہر اور وطن کی گود میں رہوں، مٹی کی شکل میں، گھاس کی صورت میں، اور پھولوں کی شکل میں"۔

توفیق زیاد نے فلسطین کے مسئلہ کو اپنے قصیدہ "من وراء القضبان" میں بہت جذباتی انداز میں پیش کیا ہے:

"یہاں تمہارے سینوں پر دیوار کی طرح باقی ہیں، بھوک و پیاس برداشت کر رہے ہیں، عریاں بے لباس ہیں، چیلنجوں کا سامنا کر رہے ہیں، پھر بھی اشعار گنگناتے ہیں اور جیلوں کو جذبہ شہادت سے سرشار بھرتے ہیں اور اپنے نونہالوں کو انتقام لینے والی نسل کی شکل میں تیار کر رہے ہیں جو غاصب یہودیوں سے اپنے آباء واجداد کا وطن واپس لے کر رہیں گے، ہم کو جب پیاس لگتی ہے تو پتھروں سے پانی کشید کرتے ہیں، بھوک ستائے گی تو وطن عزیز کی مٹی پھانک لیں گے، لیکن اپنے پیارے وطن سے کوچ نہیں کریں گے، اے ہماری حریت پسند بنیاد یہیں ٹھہر جا، اور اے ہماری عربی شناخت صحراء میں خیمہ زن ہو جا"۔

ایسے نہ جانے کتنے قصائد واشعار جدید شعراء نے بیت المقدس کے قضیہ سے متاثر

ہو کر لکھے ہیں جن میں مقبوضہ فلسطین کے مجبور باشندوں کے مسائل و مشکلات کو موثر انداز میں پیش کیا ہے۔

مقبوضہ فلسطین میں رہنے والے عرب فلسطینی شعراء دیکھ رہے ہیں کہ صہیونیت کے خطرات دن بدن بڑھتے جارہے ہیں، بیت المقدس کی حد سے نکل کر پورے عرب معاشرہ کے لئے چیلنج بن گئے ہیں اسرائیل کے گھناؤنے عزائم نے عربی وجود کو اور عربی تہذیب و تمدن کو خطرناک صورت حال سے دوچار کر چکے ہیں، یہ شعراء حالات کو دیکھ رہے ہیں اور خون کے آنسو بہارہے ہیں اپنی استعداد اور بساط پر اپنے کرب و اضطراب سے اشعار کی شکل میں دنیا کو باخبر کررہے ہیں کہ اگر عربوں نے سنجیدگی سے اس خطرہ کو نہیں لیا تو بہت جلد صہیونیت کا عفریت تمام عرب علاقوں کے بہت بڑا خطرہ بن جائے گا۔

خاص کر جون ۱۹۶۷ء کی جنگ اور اس کے بعد عرب شعراء میں نئی امنگ اور نیا جوش جاگا ہے وہ کبت اور محرومیت کی حالت سے نکل کر عام بیداری پیدا کرنے اور شعور و احساس کو جگانے میں سرگرم ہیں، وہ مسلمانوں کے دینی شعور کو بیت المقدس کے سلسلہ میں بیدار کررہے ہیں اور مسئلہ فلسطین اور قضیہ بیت المقدس کو خالص اسلامی رنگ میں پیش کررہے ہیں۔

ہاشم رشید کچھ اسی لب ولہجہ اور اسلوب میں مسئلہ قدس کو اپنے اہم اور طویل قصیدہ بعنوان القدس میں اٹھا رہے ہیں:

"القدس......القدس......مسجد اقصی

اس کی اذان گاہیں مسلمانوں کو بلا رہی ہیں

اللہ اکبر......اللہ اکبر کی پر جلال صدائیں بلند ہوتی ہیں اور پکارتی ہیں

آؤ نماز کے لئے......آؤ فلاح و کامرانی کی طرف

مسجد اقصی ہے اور لوگوں میں جوش مسرت ہے

القدس ہے اور حی الصلاۃ کی پرکیف آوازیں آرہی ہیں''۔

جن شعراء نے مسئلہ قدس کو خالص اسلامی روشنی میں دیکھا ہے ان میں سے ایک اسلام پسند شاعر علی احمد باکثیر ہیں، وہ اپنے طویل رزمیہ قصیدہ "إما نكون أبداً أو لا نكون أبداً" اسی انداز میں کلام کررہے ہیں:

اس قصیدہ کی روح ہمتوں کو بیدار کرنا اور رنج وملال کی کیفیت سے بلند ہوکر قدس کی آزادی کے لئے سرگرم ہونے کی دعوت دینا ہے۔

''قبلہ اول اور تیسری مسجد حرام مسجد اقصی آج ذلیل ورسوا کی جارہی ہے
صہیونی اس کی بے حرمتی کررہے ہیں
امریکیوں نے ہمارے تیسرے حرم کو یہودیوں کے حوالے کردیا ہے
اس طرح انہوں نے دین اسلام اور مسلمانوں سے اپنی نفرت وعداوت کا اظہار کیا ہے
امریکیوں کو مسلمانوں کی کتاب قرآن مجید سے نفرت ہے
ان کو مسلمانوں کی اسلامی بیداری سے جلن اور عداوت ہے
اور صلیبی یلغار کا نیا حلقہ تیار ہے جو سرزمین قدس پر حملہ آور ہورہا ہے''۔

محمود حسن اسماعیل کہتے ہیں:

''میں نے شہر قدس میں انبیاء علیہم السلام کی کربناک غضب بھری آواز کو سنا ہے
میں نے یہاں ہلاکت وبربادی کی سنگیت کی سرکش صداؤں کو سنا ہے
اور میں نے فضا میں ان کی تختیوں کو دیکھا ہے اور محرابوں میں نمازوں کی فریادسنی ہے
میں نے آسمان کے کناروں سے ان کی تسبیحات اور حیرت واستعجاب کی کیفیات کو محسوس کیا ہے
اور دیکھا ہے کہ کس طرح اللہ کی ناراضگی زمین پر نازل ہورہی ہے

اور زمین پر بدبختی کا دھواں پھیل رہا ہے
اور حقد و کینہ کے بگولے زندگی کو درہم برہم کر رہے ہیں"۔

علی ہاشم رشید نغمہ سرا ہیں:

" طائر شوق مجھ کو امن وسلامتی کی سرزمین کی طرف لے کر اڑا
اور وحی الٰہی کے نزول کے مقام اور مجاہدین تیراندازوں کی آماجگاہ کی جانب لے کر چلا
میں سرزمین قدس پر اترا اور میرے ساتھ کبوتروں کا جھنڈ بھی اترا
وہاں پھولوں کی خوشبو پھیلی ہے اور اس کی ہوائیں سرگوشیاں کر رہی ہیں
قدس مبارک کے بلند و بالا پہاڑ حوادثات زمانہ کے سامنے مضبوطی سے ڈٹے کھڑے ہیں
تحقیق کہ خون شہداء کی روانی نے اس کو سرسبز و شاداب کیا ہے
جب بھی شمال یا جنوبی ہوائیں چلتی ہیں
رشد و ہدایت کی نغمہ بن کر گذرتی ہیں"۔

یہی پاکیزہ اسلامی فکر و خیال ہم اکثر شعراء کے یہاں پاتے ہیں خاص کر علی الجندی، محمود غنیم، عامر بحیری، اور عبداللہ شمس الدین، قاسم مظہر اور شاعرہ روحیہ قلینی، شریفہ فتحی اور علیہ جعار کے قصائد میں اسلامی فکر و خیال اور ایمانی جذبات و احساسات کی پاکیزگی ملتی ہے۔

اور اس غم زدہ شہر کے بارے میں جو کچھ کہا گیا ان سب کے باوجود ہر شعر کسی نہ کسی المیہ اور مسلمانوں و عربوں کی ذلت و نکبت کے بارے میں کہے گئے ہیں اور کسی نے بیت المقدس کو شہر مقدس سے یاد کیا ہے تو کسی نے اس کو شہر عبادت کا نام دیا ہے اور کسی نے القدس کا پیارا نام دیا ہے۔

جب ہم کو علم ہو چکا ہے ہر یہودی بیت المقدس کے لئے وہ جملہ استعمال کرتا ہے جو یہودیوں میں مشہور چلا آرہا ہے یہودی اس کو دہرانے سے نہیں اکتاتے۔

''اے یروشلم اگر میں تم کو فراموش کردوں تو تم مجھ کو چھوڑ دینا اور میری زبان میرے منھ میں شل ہو جائے جب کہ میں تم یاد کرنا چھوڑ دوں''۔

میں بھی ہر مسلمان سے یہی کہوں گا کہ وہ ہر دن یہ قول ضرور دہرائے کہ ''اے بیت المقدس جب میں تم کو بھول جاؤں تو تم میرا ساتھ چھوڑ دینا اور میرے منھ میں میری زبان شل ہو جائے اگر میں تم کو یاد کرنا چھوڑ دوں''۔

نوٹ: مجلہ الوعی الاسلامی کویت کے شمارہ ۹۷ کے صفحہ ۹۸ رجب ۱۳۹۱ھ میں یہ مقالہ شائع ہوا۔

محراب اقصی کے ساتھ

(یوم انتقام)

شاعر شیخ مفوض عوض ابراہیم

۱- اے مسجد اقصی تمہارا زخم، میری آنکھوں کو پر آشوب بناتا ہے اور تمہارا کرب زدہ حال میرے غموں کو بڑھا رہا ہے۔

۲- غمخواری کرنے والے ہمدردی جتا رہے ہیں مگر حوادثات و آلام، ہر حساس مزاج اور رقیق القلب پر اثر انداز ہوتے ہیں۔

۳- میں جانتا ہوں کہ اشک ریزی گذر جانے والی چیز کو واپس نہیں لا سکتی اگرچہ آنسو، سرخ خوں کی شکل میں آنکھوں سے بہتے رہیں۔

۴- اور مقالات تمہاری بیڑیوں کو نہیں توڑ سکتے جن میں جکڑے ہو اور نہ ہی مقفی وموزوں اشعار تمہاری زنجیروں کو کاٹ سکتے ہیں۔

۵- اور ریڈیوں کے نشریات پیغامات تمہارے درد کو کم کر سکتے ہیں اور نہ ہی ستاروں کی نغمہ سرائی اور کسی فنکار کا فن، دشمنوں کے سخت شانوں کو جھکا سکتا ہے۔

۶- اے مسجد اقصی میں تم پر قربان! ہمارے عار کے داغ اور ذلت کے نشان کو اگر کوئی چیز مٹا سکتی ہے تو وہ یہ ہے کہ اپنے مددگاروں کے بل پر اکڑنے والے دشمن سے ہم انتقام لیں۔

۷- جو اتنا ذلیل وملعون دشمن ہے کہ اللہ رب العزت کے حلم کے مقابلہ میں سرکشی کا

مظاہرہ کر رہا ہے جبکہ اللہ ہر سرکش کی شہ رگ کو کاٹ دینے والا ہے بس ایک وقت تک اس کو ڈھیل دیتا ہے۔

۸- اور دیکھو یہ ظالموں کی قبریں اور ان کے مکانات ومحلات ہمارے اس جہاں فانی کے کانوں میں سرگوشیاں کر رہے ہیں

مٹے ناموں کے نشان کیسے کیسے
زمین کھا گئی آسمان کیسے کیسے

۹- تو جو شخص واضح وصریح حق کو ترجیح دیتا ہے وہ اس کے ساتھ عزت کی زندگی گذارتا ہے اور وقتی اقتدار اور شوکت کے ساتھ سرگرداں رہنے والا بد بخت وحرماں نصیب ہے۔

۱۰- تو اے میرے بھائیو! تم رسوا کرنے والے ظلم کا ساتھ کبھی مت دینا اور اپنے محبوب وطن فلسطین اور مسجد اقصی کی حفاظت ہر حال میں کرنا۔

۱۱- اس کی حرمت کی حفاظت کرنا جس کو صہیونیوں نے مباح کرلیا ہے اور اس مرکز ہدایت کو بچانا جس کی محراب میں روزانہ عریاں عورتوں کے جھنڈ کھلے عام بد قماشوں سے گلے ملتے ہیں اور مسجد قبۃ الصخرہ بھی بے شرم دوشیزائیں بلا خوف عریانیت وفحاشی کرتی نظر آتی ہیں۔

☆☆☆

۱۲- اور مسجد اقصی کے مٹے آثار ونشانات جیسے معراج النبی کی بدولت روشن ونمایاں ہوں گے تب میرے غموں کا ازالہ ہوگا ار میرا زخمی وجدان شفایاب ہوگا۔

۱۳- اور میرا ایمان مجھ سے کہہ رہا ہے کہ بخدا ہم دشمنوں کو ہر میدان میں زیر کریں گے۔

۱۴- چاہے ہاک اور میراج جنگی طیارے ان دشمنوں کو طاقت وقوت فراہم کریں مگر ہم ان سب کو دوسری منزل میں پہنچا کر دم لیں گے۔

۱۵- ہم شمشیر زنوں کے مقابلہ میں شیر کی طرح گرجتے ہوئے بڑھیں گے جس طرح میدان بدر میں اصحاب رسول ﷺ ایمانی جذبہ سے سرشار دشمنوں پر جھپٹے تھے۔

۱۶- اور یاد کرو معرکہ حطین کے اس واقعہ کو جب کہ سلطان صلاح الدین ایوبی نے اپنے لشکر کا رات کے وقت خفیہ معائنہ کیا۔

۱۷- تو اس نے اپنی فوج کی ایک جماعت کو دیکھا وضو کرتے ہوئے پایا تو ایک جماعت کو نماز پڑھتے دیکھا اور ایک گروہ کو دیکھا کہ بآواز بلند قرآن پڑھ رہے ہیں۔

۱۸- اس وقت سلطان صلاح الدین نے کہا تھا ہم کو جو فتح حاصل ہو رہی ہے وہ پاکیزگی اور تقویٰ کی وجہ سے ہے ان صلیبیوں کے خلاف جنہوں نے ہمارے وطن پر یلغار کی ہے۔

۱۹- اور اسی صبح کو جب حطین کے کارزار میں صلیب پرستوں سے جنگ ہوئی تو اللہ نے سلطان کے چہرہ تو روشن و تابناک بنا دیا میں چاہتا ہوں کہ معرکہ فلسطین میں سرگرم میرے غیور بھائی سلطان ایوبی سے نصیحت حاصل کریں۔

۲۰- اور یہ طے ہے کہ جو بھی جنگ میں اللہ کی پناہ لے گا وہ بالیقین صہیونیوں اور موشے دایان کی شہ رگ تک پہنچ جائے گا اور ہلاکت سے دوچار کر رہا ہے۔



۲۱- اسلام ہم سے پوچھتا ہے: میرے وہ لاکھوں چاہنے والے جاں نثار کہاں ہیں اور دشمنوں کو گن گن کر موت کے گھاٹ اتارنے والے میرے عظیم الشان سپوت کہاں ہیں۔

۲۲- میری نسیبہؓ، خولہؓ کی مانند سرگرم جہاد اور اسلام پر قربان ہونے والی بیٹیاں کہاں ہیں۔

۲۳- رافعؓ جیسے نوخیز بہادر نوجوان اور محبوب رسول کہلانے والے اسامہ بن زیدؓ جیسے

نو جوان اب کہاں ہیں، افسوس کہ اب ہمارے نو جوانوں میں ان کی مثال نہیں۔

۲۴- کیا اپنی جان اسلام پر قربان کرنے والے بہادر ختم ہو گئے؟ میں ان بزدل اور برے گروہ کے سوا نہیں دیکھتا جو دشمنان اسلام کے سامنے منہ کے بل گرتے ہیں۔

۲۵- جبکہ جنگوں کے شیر، صہیونیوں کی حلق کا اچھو (کانٹا) ہیں اور ان کے پیچھے انسانوں کی شکل میں بھیڑیے ہیں۔

۲۶- بہادروں کے بارے میں وہ باتیں کہہ ڈالتے ہیں جو بات دنیا کے شیاطین اور ایمان کے چوزے کہنے کی ہمت نہیں کرتے۔

۲۷- انہیں فداکار مجاہدین کے ہاتھوں میں، میرا پرچم ہمارے ملک اور وطن کے ایک بالشت حصہ پر لہرائے گا (انشاء اللہ)۔



۲۸- ہاں! ہم اسی جاں نثاری اور فدائیت کے لئے اپنی محبت کا نذرانہ پیش کرتے ہیں اور اس کی تائید وحمایت میں کھل کر بولتے ہیں۔

۲۹- اور اس انتقام کے دن کا انتظار کر رہے ہیں جب کہ ہماری صفوں میں کوئی بزدل ہوگا اور نہ دشمنوں کی خاطر جاسوسی کرنے والی کوئی نگاہ ہوگی۔

نوٹ: شائع شدہ الوعی الاسلامی شمارہ ۶۳، ص ۶۰، رجب ۱۳۸۸ھ۔

سبحان من أسری

شیخ محمود جبر

۱- اے میرے دونوں دوستو! یہ فجر اس زاہد کی عبادت گاہ ہے جس نے آہ وزاری میں رات بسر کی یہاں تک کہ روحانی لطافت سے ہمکنار ہوا اور عظیم المرتبت بن گیا۔

۲- الحان کی باد بہاری چلتی ہے اسی وجہ سے کائنات میں ہر چہار جانب فرحت ہے یا پھر تبسم و مسکراہٹ ہے۔

۳- قوم کے زاہدین ذکر و ورود میں لگے ہیں جب کہ تم قوم کے سردار کو دیکھو گے کہ اگر چہ زندگی کے مسائل سے دوچار ہیں مگر قوم کے عزت دار اور سخی ہیں جب دنیا عاجز ہو کر بیٹھ جاتی ہے یعنی جود وسخا کے دریا بہاتے ہیں اور ان کا ہر جوان جب شباب کو پہنچتا ہے تو دشمنوں پر حملہ آور ہوتا ہے شجاعت کے جوہر دکھاتا ہے۔

☆☆☆

۴- اے میرے دونوں دوستو! کیا ظالم تم کو صلح و آشتی کی دعوت ایسے وقت میں دے رہا ہے جب اس کو سلامتی سے کس فائدہ کی امید نہیں ہے۔

۵- جب سرکش باغی حکمراں بن جاتا ہے تو انصاف قائم نہیں رہتا اور نہ ہی اس کی حمایت میں کسی ترقی و پیش رفت کی امید کرنا۔

۶- اور دنیا میں بھلائی نہیں رہ جاتی جب اس کا انتظام و انصرام قوم کے اشرار کے کاندھوں پر ہوتے ہیں تو لوٹ گھسوٹ عام ہوتی ہے۔

☆☆☆☆

۷- میں ارض قدس کی زیارت اور اس کی خاک کو بوسہ دیا اور طہ، مسیح اور مریم کی بارگاہ میں نذرانہ عقیدت ومحبت پیش کیا۔

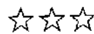
۸- اور حضرت موسیٰ علیہ السلام سے تعزیت وہمدردی کے کلمات کہے ان کی قوم کی چیرہ دستیوں اور ظلم وستم کے بارے میں جس نے ان کو دیکھا اور میں نے ہارون وموسیٰ دونوں کو یہودیوں کے مظالم سنائے۔

۹- میں نے مسجد اقصیٰ کی حالت زار کو دیکھا کہ اس کے اردگرد ہول وخوف کا بسیرا ہے ایسا ظلم وستم جو آج گونگے کو بھی بولنے پر مجبور کررہا ہے۔

۱۰- اے خیر خلق رسول عربی ﷺ کے پیروکارو کیا مسلمانوں کو لاحق مصائب کی وجہ سے سرکش صہیونیوں کے لئے بیت المقدس مال غنیمت کے طور پر چھوڑ دیں؟

۱۱- اے طٰے ومسیح اور مریم کے ماننے والو! کیا صہیونیوں کے لئے ہم بیت المقدس حرم ثالث کو چھوڑ دیں؟

۱۲- اور کیا تم سبحان من أسریٰ کے نزول کو بھول گئے کیا تم نے حبیب خدا ﷺ کے سفر معراج واسراء کو فراموش کردیا جنہوں نے مسجد اقصیٰ میں نماز ادا کی۔



۱۳- کیا تم رسول خدا ﷺ کو بھول گئے اس حالت میں کہ انبیاء مرسلین علیہم السلام امام القبلتین نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں درود وسلام پیش کررہے تھے۔

۱۴- اے عرب جیالو کی اولاد، عربوں کا دین اسلام، ایثار وقربانی اور عزت وعظمت کا دین ہے، کسی بھی ذلیل طبیعت بزدل کو میں مسلمان مانتا ہی نہیں۔

۱۵- ہم اپنی شرافت وعظمت کا قلعہ دشمنوں کی مخالفت اور ناپسندیدگی کے باوجود تعمیر کریں گے کیا شرافت وعزت والے قدیم سے نہیں ہیں؟؟

۱۶-صہیونیوں کی بھڑکاتی ہوئی آگ بھڑک رہی ہے ہم عنقریب انسانیت کو وقت سے پہلے ہی جہنم رسید کردیں گے۔

۱۷-تم اس کو بھول گئے ہو، میں دیکھ رہا ہو کہ تم کلما أوقدوا نارا للحرب أطفأها الله کو بھول گئے۔

۱۸- سنو! ملعون یہودیوں کی ہلاکت وبربادی کا وقت موعود آچکا ہے، "وبعثنا علیکم عبادا لنا أولو بأس شدید" کو پڑھو کس طرح انہوں نے یہودیوں کو دردناک موت کا مزہ چکھایا اور قرآن مجید سے ان کے بارے میں پوچھو کہ کس طرح ان کی ذلت کے واقعات سناتا ہے۔

نوٹ: ان ابیات میں قرآنی آیات سے بخت نصر کے حملہ کرنے اور یہودیوں قتل کرنے اور غلام بنا کر لے جانے کی طرف اشارہ۔



۱۹-اے ارض فلسطین ہم تجھ سے عہد کرتے ہیں کہ تم کو عربوں کی ذات سے ہلکا سا بھی زخم نہیں پہنچے گا۔

۲۰- اور ہم رب ذوالجلال سے دعا کرتے ہیں کہ شہر قدس کو یہودیوں کے ناپاک وجود سے پاک کردے۔

۲۱- ہم بیت المقدس کی حرمت وعزت کے لئے اپنی جان اور خون کو قربان کردیں گے۔

۲۲- اے اللہ کے رسول (ﷺ) آپ خوش ہوجائیں ہمارا پکا وعدہ ہے کہ بیت المقدس کو ملعون صہیونیوں سے واپس لے لیں گے۔

نوٹ: یہ اشعار مجلّہ الوعی الاسلامی کویت کے شمارہ ۱۳۹ کے صفحہ ۴۲ پر ماہ رجب ۱۹۷۶ء میں شائع ہوا۔

بیت المقدس اور مسجد اقصیٰ کے بارے میں اکابر ملت کے اقوال

سلطان صلاح الدین ایوبیؒ نے کہا:

''الٰہ العالمین! تیرے دین کی حفاظت اور دفاع میں میرے تمام زمینی وسائل ختم ہو چکے ہیں اب تیرے حضور ہمیشہ کے لئے حاضر ہونے کے علاوہ کچھ آرزو نہیں اور تیری رسی کو مضبوطی تھامنے اور تیرے فضل وکرم پر توکل واعتماد کے سوا کچھ خواہش نہیں تو ہی میرے لئے کافی ہے اور تو سب سے بڑا کارساز ہے''۔

شیخ علی طنطاویؒ نے فرمایا:

''فلسطین کا قضیہ ہرگز فنا ہونے والا نہیں، اس لئے کہ یہ ہر مسلمان کے دل کا معاملہ اور عقیدہ ہے کیا کسی نے سنا ہے یا کہیں پڑھا ہے ایسے عقیدہ کے بارے میں جس کے حاملین ہزاروں میں نہیں لاکھوں کروڑوں میں ہیں، وہ عقیدہ فنا ہو گیا ہو؟

لوگ اپنے ایمان وعقیدہ کی حفاظت کے لئے جان دیدیتے ہیں جب کہ کوئی عقیدہ کسی انسان کی زندگی کے لئے کبھی ختم نہیں ہوتا''۔

شیخ محمد الغزالیؒ نے فرمایا:

''یہ پاگل پن کی بات ہوئی کہ ہم فلسطین کے قضیہ کو عربوں اور ان یہودیوں کے مابین نزاع قرار دیں جو اس کے اصل باشندوں کو نکال کر وہاں رہنا چاہتے ہیں یہ ایک ایسا قضیہ ہے جس کی اساس یہ ہے کہ کیا عربوں کی وہ چیزیں باقی رہیں گی جو اس دنیا میں کر رہے ہیں؟ کیا ان

کے لئے کوئی ایسا پیغام باقی رہے گا جس کے لئے زندہ رہنے کا حق ان کو حاصل ہو۔

دکتور علامہ یوسف القرضاوی نے کہا:

''میں مسجد اقصیٰ اور بیت المقدس کی خدمت سے متعلق ہر عمل کا خیر مقدم کرتا ہوں اور ہر اس کارروائی کو سراہتا ہوں جو امت مسلمہ کو خطرات کا سامنا کرنے کے تیار رہنے پر توجہ دلائے اور امت اسلامیہ کو قدس مبارک اور مسجد اقصیٰ کی واگذاری کے سلسلہ میں نہ اس کی دینی وملی ذمہ داریوں کو ادا کرنے میں غفلت سے بیدار کرے''۔

شیخ ابوالحسن علی ندویؒ نے فرمایا:

''مشرق سے مغرب تک اور شمال سے جنوب تک مسلمانان عالم کو جمع کرنے اور زبان وثقافت اور جنس ونسل کے تفاوت سے بلند ہو کر مقید مسجد اقصیٰ کی نصرت کے لئے دینی حمیت پر متحد ہونے کا وقت آ گیا ہے''۔

شیخ یوسف جاسم حجی نے فرمایا:

''آج بیت المقدس کو سب سے زیادہ جس چیز کی ضرورت ہے، وہ اسلامی مقدسات کی حفاظت کے سلسلہ میں ایک غیر مبہم پختہ موقف اختیار کرنے کی ضرورت ہے جس سے دنیا کے ہر خطہ میں اسلام کے داعیوں کے دلوں کو اطمینان وسکون کا احساس ہو۔

ایسا جامع موقف جو اعلان کرے کہ بیت المقدس خالص اسلامی سرزمین ہے جس پر غیر قانونی طور پر اسرائیل نے قبضہ کیا ہے اور پوری مسلم قوم اس کو آزاد کرانے کی ذمہ دار ہے اور اس کی آزادی ایک مقدس فریضہ ہے جس سے کوتاہی اور اس سے صرف نظر کرنا جائز نہیں اور یہ کہ فلسطین اور اس کے مقدس مقامات کو مسلمانوں کے حوالے کرنے کے علاوہ امن وسلامتی کا کوئی تصور نہیں۔

اور آج ارض قدس کو جس کی سخت ضرورت ہے وہ روحانی وعملی اور تمدنی سطح پر امت مسلمہ کو تیاری کرنے کی ہے ہم پر لازم ہے کہ بین الاقوامی پیمانہ پر اس کے لئے قرارداد پاس کریں اور ہر قسم کی انتہا پسندانہ جانبدارانہ کارروائیوں کو ٹھکرادیں اور فلسطین میں اور قدس میں لوگوں کو ہر ممکن سطح پر مدد فراہم کریں اور اسلامی فکر وخیال اور عقیدہ کو مستحکم کرنے کے لئے سماجی وملکی اور حکومتی کوششوں کو مضبوط کریں اور فلسطین اور مقبوضہ بیت المقدس میں اسلامی عربی سرمایہ کی حفاظت کے تمام تہذیبی شواہد کو جمع کریں"۔

شیخ عبداللہ علی مطوعؒ نے فرمایا:

"بیت المقدس اور فلسطین، اسراء ومعراج کی سرزمین ہے، وہ سرزمین ہے جس میں مسلمانوں نے اپنی جانوں کو کھپایا ہے اور اس کے لئے بے پناہ قربانیاں دی ہیں لاکھوں شہداء اسلام آغاز اسلام سے اب تک اپنی پیاری جان کو اس پر قربان کیا، وہ ہر مسلمان کے عزیز ومحبوب سرزمین ہے اور فلسطین وبیت المقدس کی آزادی کے لئے اللہ کا وعدہ ہر حال میں ثابت ہوگا"۔

جناب طارق سامی السلطان عیسی نے فرمایا:

"میں دنیا کے ہر خطہ کے مسلمانوں سے اپیل کرتا ہوں کہ وہ فلسطین اور سرزمین اسراء ومعراج کی سرحدوں پر سرگرم جہاد مجاہدین اسلام کی ہر ممکن مدد کریں ان کو درپیش تکالیف ومسائل کے ازالہ کی کوشش کریں بلکہ ہم کریں کہ بیت المقدس اور اس کے مقدس مقامات کو مسلمانوں کے ضمیر اور ان کی یادداشت سے قریب تر کرنے کے لئے عملی اقدام کریں جب کہ یہودی اس کو تاریخ کے صفحات اس محو کرنے میں لگے ہیں لیکن یہ کام ان کے لئے آسان نہیں اس کا اسلامی تشخص ہر حال میں باقی رہے گا۔

اس۔ لئے کہ امت اسلامیہ کبھی ختم نہیں ہوگی اور مسجد اقصی اور بیت المقدس کا قضیہ برابر

-ان شاء اللہ- مسلمانوں کی یادداشت میں زندہ رہے گا اور ان کے دلوں اور ان کے زندگی کے ہر پہلو میں اس کی یاد قائم رہے گی''۔

مسجد اقصی کے خطیب شیخ احمد قطان نے کہا:

''اللہ تعالی نے مسجد حرام اور مسجد اقصی کا ذکر ایک آیت میں فرما کر یہ بتا دیا ہے کہ اسلام میں ان دونوں مسجدوں کی بہت زیادہ اہمیت ہے اور مسجد اقصی میں ایک فرض نماز ادا کرنے کا ثواب پانچ سو نماز کے برابر ہے۔

مسجد حرام اور مسجد نبوی کی طرح مسجد اقصی کی حفاظت کے بھی مسلمان مکلف قرار دیئے گئے یہ ذمہ داری ہمارے ایمان وعقیدہ کا حصہ ہے، میں مسلمانان عالم سے اپیل کرتا ہوں کہ مسجد اقصی اور بیت المقدس کے سلسلہ میں ثابت قدم رہیں اور کسی قسم کی کوتاہی یا اس کے مسئلہ سے اپنے کو الگ تھلگ کرنے کی غلطی ہرگز نہ کریں''۔

شیخ کامل شریف نے فرمایا:

''مسلمانوں کے نزدیک مسجد اقصی کا مقام ومرتبہ، کسی دوسرے دینی مرکز اور تاریخی یادگار سے کہیں زیادہ ہے یہ ایسا روحانی وایمانی مرکز ہے جس میں اسلام کے تمام حقائق وخصائص نمایاں ہیں اور مسلمانوں کے اتحاد واتفاق کی علامات ہیں''۔

جمعیۃ الاصلاح الاجتماعی کے سکریٹری جنرل نے فرمایا:

''بیت المقدس دوسرے شہروں کی طرح نہیں، یہ اللہ تعالی کے اکثر انبیاء ومرسلین علیہم السلام کی بعثت ورسالت کا مرکز رہا ہے اس کے ساتھ بہت سے تاریخی واقعات وابستہ ہیں جو تمام انبیاء ورسل پر ایمان لاتے ہیں اور تمام کتابوں کو تسلیم کرتے ہیں وہی اس شہر مقدس کی حفاظت کا حق ادا کر سکتے ہیں لہذا مسلمان ہی اس کے اصل حقدار ہیں۔ اس لئے عملی طور پر مسلمانوں کو اس

شہر کی حفاظت کا استحقاق حاصل ہے چنانچہ ان کو بیت المقدس کا انتظام سپرد کیا جائے اور مسلمانوں کو بھی چاہیے کہ اپنے مقدسات کو حاصل کرنے کے تمام ضروری اسباب اختیار کریں"۔

لجنۃ فلسطین الخیریہ کے صدر نادر النوری نے فرمایا:

"یہ امر ضروری ہے کہ ہر ملک اور علاقہ میں بیت المقدس کے قضیہ کو حل کرنے کی خاطر عملی طور پر جدو جہد کی جائے اور یہ کوشش اس یقین کے ساتھ ہو کہ بیت المقدس اسلام اور مسلمانوں کے اہم مقدس مقامات میں سے یہ مسلمانوں کا قبلہ اول اور حرم مکی اور مسجد نبوی کے بعد تیسری مسجد ہے جس کی زیارت کے لئے سفر کرنے اور اس میں عبادت کرنے کی تاکید و ترغیب دی گئی ہے۔

مسجد اقصی بیت المقدس وہ پاکیزہ سرزمین ہے جس کو نہ فروخت کیا جا سکتا ہے نہ اس میں تصرف کیا جا سکتا ہے، یہ اسلامی اوقاف میں سے ہے جس طرح مسجد حرام مکہ مکرمہ کو اللہ تعالی امن و سلامتی کا مرکز اور مثابۃ للناس بنایا ہے اسی طرح مسجد اقصی کو ملائکہ کی نزول گاہ اور انبیاء کرام کی بعثت گاہ بنایا یہ وہ مقام ہے جہاں سے شب اسراء میں رسول اللہ ﷺ معراج آسمانی کا سفر فرمایا"۔

جمعیۃ الاصلاح الاجتماعی کے ایک بیان میں کہا گیا:

"مسلمانوں کے قبلہ اول اور تیسری دینی زیارت گاہ اور رسول عربی ﷺ کی معراج کی جگہ مسجد اقصی کے خلاف سازش ایک واضح حقیقت ہے اس کو منہدم کرنے کا پروگرام لحہ تیز رفتاری سے جاری ہے۔

لہذا فرزندان اسلام اس واضح حقیقت کے بعد کس دن کا انتظار کر رہے ہیں؟ کیا اس وقت عملی طور پر بیدار و متحد ہو کر اس کی آزادی کے لئے تیار ہوں گے جب اس کا ایک ایک پتھر نکال لیا جائے اس کے آثار مٹا دیئے جائیں تب ہم کو ہوش آئے گا"۔

مشہور داعیہ وادیبہ الحاجہ زینب الغزالی نے فرمایا:

''اے شب اسراء میں رسول کائنات فخر موجودات رسول عربی ﷺ کی نزول گاہ میرے ماں باپ تجھ پر قربان، اے یہودیوں کے مکروہ ہاتھوں میں گرفتار وقید مسجد اقصی! تیرا مکان ومرتبہ ہمارے دلوں میں کتنا زیادہ اور تیری عزت وعظمت کتنی اہم ہے، میں تیرے صحن ومحراب میں صلاۃ الحاجۃ اور نماز شوق ادا کرنے کی کتنی مشتاق ہوں مگر مجبور ہوں کہ تو صہیونیوں کے پنجہ استبداد میں جکڑی ہوئی ہے''۔

اسلامی تحریک کے صدر شیخ رائد صلاح نے فرمایا:

''مسلمانو! اپنی نظروں کا دائرہ وسیع کرو اور بیت المقدس، اس کی تاریخ اور اس کے زریں ابتدائی دور کا جائزہ لو اور مسجد اقصی کے موجودہ حالات کا مشاہدہ کرو، اس کو درپیش چیلنجوں کی آواز کو سنو جو کسی دھمکی سے نہیں ڈرتی جب تک مسجد اقصی صہیونیوں کے ہاتھوں میں اسیر ہے ہم چین کی نیند نہیں سو سکتے ہرگز نہیں۔

اور وہ حق پسند مسلمان کیسے سو سکتے ہیں جن کے سامنے آزادی کی عید سعید ہو جس کا وعدہ کیا گیا ہے، مسجد اقصی کو ہر حال میں آزاد ہونا ہے''۔

رابطہ علماء فلسطین کے صدر، مسجد اقصی کے خطیب شیخ حامد البیتاوی نے فرمایا:

''ہم دنیا کے تمام مسلمانوں کو آواز دیتے ہیں کہ آؤ بیت المقدس اور مسجد اقصی کو صہیونی غاصبوں سے بچاؤ، القدس خطرہ میں ہے، مسجد اقصی خطرہ میں ہے۔

اے تو گواہ رہ کہ ہم نے حق کی آواز لوگوں تک پہنچا دی ہے''۔

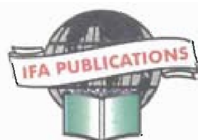


شقاق بین الزوجین کی وجہ سے فسخ نکاح

نشہ آور اشیاء

علمی اختلاف سے متعلق چند مباحث

وہ جو بیچتے تھے دوائے دل



IFA Publications

161 - F, Basement, Joga Bai, Post Box No - 9708,
Jamia Nagar, New Delhi - 110025
Tel : 26981327 Email:ifapublication@gmail.com